

بیادگار: حضرت مولانا سید محمد ثانی حسی رحمۃ اللہ علیہ

خوانین کا ترجمان

ماہنامہ
لکھنؤ

شمارہ نمبر ۹

جلد نمبر ۶۱

ستمبر ۲۰۱۷ء

سالانہ زرتعاون

برائے ہندوستان: ۲۰۰ روپے

غیر ملکی ہوائی ڈاک: ۲۵ امریکی ڈالر

ٹی شمارہ: ۲۰ روپے

لائف ٹائم خریداری: ۸۰۰۰ روپے

نوٹ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل صاف پتہ ضرور لکھیں تاکہ
خریداری کے ختم ہونے کے وقت کی پہچانی ہوگی چٹ پرگی ہو تو براہ کرم مدت
خریداری ختم ہوتے ہی رقم ارسال فرمائیں۔ (نمبر)

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسی

مجلس ادارت

عائشہ حسی

میمنہ حسی

محمود حسن حسی

جعفر مسعود حسی

ذوائف و رIZWAN MONTHLY لکھنؤ

ذرائع اور خط و کتابت کا پتہ

Rizwan (Monthly)

172/54, Mohammad Ali Lane

Gwynne Road Lucknow

Pin:226018- Mobile: 9415911511

ماہنامہ رضوان

۱۷۲/۵۴، محمد علی لین گون روڈ لکھنؤ

پین کوڈ: ۲۲۶۰۱۸ - موبائل: ۹۴۱۵۹۱۱۵۱۱

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسی نے مولانا محمد ثانی حسی فاؤنڈیشن کے لیے نظامی اسپرٹ پرپریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمز: ۳۰۰ ڈاکسٹریکشن: ۰۷۵۲۵۱۲۲۲۱

E-Mail: rizwan@rediffmail.com

فہرست مضامین

- اپنی بہنوں سے مدیر ۵
- حدیث کی روشنی میں امة اللہ تسنیم ۶
- اپنی اولاد کو آگ سے بچائیے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۸
- دین کی بنیادیں اور تقاضے میاں طفیل محمد ۱۲
- قوموں کی زندگی میں اخلاق کی اہمیت! اللہ بخش فریدی ۱۷
- تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہوں زول کتاب! مولانا سید احمد و میض ندوی ۲۱
- قضائے حاجت کا اسلامی طریقہ حکمتیں اور مصلحتیں ... مولانا محمد تبریز عالم حلیمی ۲۵
- اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سنہرے واقعات ۳۱
- اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق مفتی محمد عبداللہ قاسمی ۳۳
- اے سوار اہلب دوراں بیا پروفیسر محسن عثمانی ندوی ۳۷
- زوال کے اسباب احمد حامدی ۴۰
- آخری صفحہ مولانا قمر الزماں ندوی ۴۱



اپنی بہنوں سے

سید محمود حسنی

قربانی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور اتنی پسند ہے کہ اللہ نے اپنے پسندیدہ بندوں سے قربانی لی اور قربانی کے ذریعہ لوگوں کے ایمان و تقویٰ کو آزمایا۔ ہائیل اور قابیل دو بھائی تھے اور سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کی قربانی کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر کیا ہے۔ ہائیل کی قربانی قبول کی اور قابیل کی قبول نہیں ہوئی۔ قابیل کو حسد ہوا اور اپنے نیک بھائی کا خون کر دیا اس نے بھائی کا کچھ نہ کیا خود اپنا بھرا لیا۔

قربانی ہو اور کوئی نیک عمل ہو اصل مدار قبولیت ہے، اللہ تعالیٰ تقویٰ اور ایمان والوں کا عمل قبول فرماتے ہیں۔ جس کا عمل قبول ہو گیا وہ ایمان والا اور متقی ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین۔ اللہ متقی پر ہیزار لوگوں کے عمل قبول فرماتا ہے۔ آج لوگ دیکھتے ہیں کام زیادہ ہو، پہلے لوگ دیکھتے تھے کام چاہے کم ہو مگر اخلاص زیادہ ہو۔ ایک صحابی حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ گزرے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارا ایک حبہ قبول ہو اور اس کے عوض میں سارا اثاثہ چلا جائے، ہمیں یہ پسند ہو گا کہ ایک حبہ قبول ہو جائے۔

قبولیت بہت بڑی چیز ہے۔ ایک بزرگ عالم سے پوچھا گیا کہ آپ برسہا برس سے فلاں نیک کام کر رہے ہیں فرمانے لگے ایک دن کا قبول ہو جائے بیڑا پار۔

اللہ نے اپنے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے قربانی لی، اور ان کے بیوی بچوں سے بھی لی، یہ قربانی ایسی قبول ہوئی، کہ ان قربانیوں کی نقل حاجی ان جگہوں پر اتارتا ہے جہاں پر قربانی دی گئی تھی اور اس سے وہ اللہ کا ایسا محبوب اور مقبول بندہ بن جاتا ہے کہ بالکل پاک و صاف ہو کر اپنے خدا کے گھر سے اپنے گھر لوٹتا ہے اور جو حج کو نہیں جا پاتا وہ اپنے مقام پر رہ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی نقل جانور ذبح کر کے پیش کرتا ہے اور اس سے اللہ کا پسندیدہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور جیسا جذبہ اور اخلاص ہوتا ہے ویسا اس کا عمل اوپر جاتا اور قبول ہوتا ہے۔ اور اسی سے دین کے لئے دوسری قربانی دینے کا عمل بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قربانی پر کھرا اتارے اور قبول فرمائے۔ آمین



امۃ اللہ تسنیم

وضو کی فضیلت

حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا جس طرح میں کر رہا ہوں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس طرح وضو کیا تو اس کے اگلے پچھلے سب گناہ (یہاں گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہیں) معاف ہو جائیں گے اور اس کا مسجد میں جانے اور نماز ادا کرنے کا ثواب علاحدہ ہے۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن وضو کرتے وقت اپنے چہرے کو دھوتا ہے تو اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں جن سے اس نے دیکھا ہے پانی کے ساتھ، یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتی ہیں، پھر جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کی تمام خطائیں جو اس کے ہاتھوں سے سرزد ہو چکی ہیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتی ہیں، پھر وہ پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کی تمام خطائیں جو اس نے ان سے چل کر کئی تھیں پانی کے ساتھ نکل جاتی ہیں حتیٰ کہ وہ گناہوں (گناہ صغیرہ) سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

قیامت میں وضو کی روشنی اور چمک حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لائے اور فرمایا:

چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنا احسان پورا کرے شاید تم احسان مانو۔

وضو امت کی نشانی حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ میری امت وضو کی چمک کے نشان کو پہچان کر بلائی جائے گی تو جس کو اپنی چمک بڑھانا منظور ہو وہ وضو کر کے بڑھائے۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے مومن کا زیور (جنت میں) اس جگہ تک پہنچ جائے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچا ہوگا۔ (مسلم)

وضو سے گناہ دھل جاتے ہیں حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا تو اس کے جسم سے تمام خطائیں نکل جائیں گی حتیٰ کہ ناخن کے نیچے سے بھی۔ (مسلم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا، وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ، مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُنِزِلَ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ.

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منہ دھو اور کہنیوں تک ہاتھ دھو، اور سر کا مسح کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھو اور اگر تم جنبی ہو تو غسل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا قضاے حاجت سے واپس آئے ہو یا عورتوں سے مباشرت کی ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کرو، اس مٹی کو منہ پر اور ہاتھوں پر پھیرو، اللہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ ذَا قَوْمٍ
مُؤْمِنِينَ وَإِنِ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ
لَاجِقُونَ وَوَدِدْتُ أَنَا قَدْ رَأَيْتُنَا
إِخْوَانِنَا.

السلام علیکم اے مومنین کی جماعت اگر
اللہ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہیں، اور
مجھے اپنے بھائیوں سے ملنے کی خواہش ہے۔
صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم
آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے دوست ہو،
میرے ساتھی ہو، ہمارے بھائی وہ ہیں جو
ہمارے بعد آئیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا
آپ اپنے بعد آنے والی امت کو کیسے
پہچان لیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا اچھا بتاؤ اگر ایک آدمی کے پاس کئی
گھوڑے ہیں اس میں ابلق (چت کبرا)
ہے تو وہ اس کو پہچان لے گا؟ عرض کیا ہاں۔
فرمایا بس میں بھی اپنی امت کو وضو کی روشنی
اور چمک سے پہچانوں گا اور میں اس وقت
حوض کوثر پر ہوں گا۔ (مسلم)

تکلیف میں پورا پورا وضو کرنا

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم
کو ایسی بات نہ بتاؤں جس کی وجہ سے اللہ
تعالیٰ خطاؤں کو مٹائے گا اور درجے بلند کرے
گا۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتائیے یا رسول
اللہ فرمایا تکلیف (تکلیف سے مراد سردی

وغیرہ) میں پورا (پورا وضو کرنے کا مطلب یہ
ہے کہ پانی ہر عضو پر اچھی طرح پہنچائے اور
تین تین بار دھوئے) وضو کرنا اور مسجد کی طرف
قدموں کی زیادتی اور نماز کے بعد دوسری نماز
کا انتظار کرنا یہ رباط (رباط دین کی سرحد پر،
دین کے دشمنوں کے مقابلے کے لئے بیٹھے
رہنا تاکہ وہ آگے نہ آنے پائیں اس کا بڑا
ثواب ہے، تو نماز کے لئے بیٹھے رہنا شیطان
سے مقابلہ ہے اس کو غالب نہ ہونے دینا
ہے)۔ یہ رباط ہے۔ (مسلم)

پاکی آدھا ایمان ہے

حضرت ابو مالک اشعری سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
پاکی آدھا دین ہے۔ (مسلم)
وضو کے بعد کیا کہے

حضرت عمر بن خطاب سے روایت
ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جو وضو اہتمام سے کرے یا فرمایا کہ پورا پورا
وضو کرے، پھر یہ کلمات کہے:

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا
عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا
کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا
سا جھی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی
اللہ علیہ وسلم اس کے بندہ اور رسول ہیں۔
تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں

دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کو
اختیار ہے کہ جس دروازے سے چاہے
جنت میں داخل ہو جائے۔ (مسلم)

ترمذی نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا ہے:
اللَّهُمَّ جَعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَ
اجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ.

اے اللہ مجھ کو توبہ کرنے والوں میں
اور پاکی حاصل کرنے والوں میں۔

اذان کی فضیلت

اذان کیلئے قرعہ اندازی کی ضرورت
حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ
اذان اور پہلی صف کی فضیلت جان لیں تو اس
کو پانے کے لئے ان کو قرعہ اندازی ہی کرنا
پڑے (یعنی اذان اور پہلی صف میں کھڑے
ہونے کی ایسی فضیلت ہے کہ اگر اس کو حاصل
کرنے میں لوگ جھگڑا کرنے لگیں تو ان کو پھر
قرعہ ڈالنا پڑے) اور اگر ظہر کی نماز کو اول
وقت پڑھنے کا ثواب سمجھ لیں تو پھر دوڑ کر
آئیں اور اگر صبح اور عشاء کی جماعت میں
شریک ہونے کی فضیلت جان لیں تو ان دونوں
وقتوں میں ضرور شریک ہوں، چاہے گھسٹ
گھسٹ کر شریک ہوں۔ (بخاری۔ مسلم)
مؤذنوں کی قیامت میں سرفرازی
حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
مؤذنوں کی گردنیں قیامت کے دن لائچی
ہوں گی۔ (مسلم)

اپنی اولاد کو آگ سے بچائیے

بچنے کے لئے ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے علم کے زیور سے آراستہ اور احکام دین سے واقف ہونا، بے علمی اور نا آگہی و جہالت و نادانی انسان کو راہ حق سے دور لے جاتی ہے اور گمراہی کے راستہ پر ڈال دیتی ہے۔

آگ سے بچنے کے لئے دوسری ضروری چیز عمل صالح ہے، عمل صالح کے معنی اچھے کام کے ہیں، کوئی کام اس وقت اسلام کی نگاہ میں عمل صالح بنتا ہے، جب اس میں تین باتیں پائی جائیں، اول: وہ حکم خداوندی کے مطابق ہو، دوسرے: اس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر انجام دیا جائے، تیسرے: اس کا مقصد اللہ کی خوشنودی اور رضا کا حاصل کرنا ہو، شہرت و ناموری، عہدہ و جاہ اور دنیا طلبی نہ ہو، اگر یہ تینوں باتیں جمع ہوں تو وہ عمل صالح ہے اور ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہ پائی جائے، تو وہ عمل صالح نہیں، ظاہر ہے کہ عمل صالح کو جاننے اور اس کو اختیار کرنے کے لئے قدم قدم پر علم کی ضرورت ہے، ایک وضو اور نماز ہی کو دیکھ لیجئے، کہ اس سے متعلق کتنے مسائل و احکام ہیں؟ انسان بوڑھا ہو جائے اور اپنی پوری عمر طے کر لے، پھر بھی ان مسائل کا احاطہ نہیں کر پاتا، ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے، اہل علم سے استفسار کرنا پڑتا ہے، بلکہ خود اصحاب علم بھی ایک دوسرے سے رجوع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، فقہ کا ایک سمندر بیکراں ہے، جو ان ہی اعمال صالحہ کی تشریح و توضیح

طرف متوجہ کرتے ہوئے متنبہ کیا ہے، کہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، قُوا انْفُسَكُمْ وَاٰهْلِيَكُمْ نَارًا۔ (التحریم: ۶) یہ آگ سے بچانا کیونکر ہوگا؟ ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ، ایمان کیا ہے؟ قرآن وحدیث میں جن جن باتوں کا ذکر آیا ہے، ان سب کو ماننا اور بے کم و کاست ان کا یقین کرنا، ایمان صرف کلمہ پڑھ لینے کا نام نہیں، اگر ایک شخص اپنی زبان سے توحید کا اقرار کرتا ہو اور قرآن کے کسی حکم کا انکار بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہو، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا مذاق اڑانے سے بھی گریز نہ کرتا ہو، آپ کو نبی مانتا ہو، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا قائل ہو، تو بظاہر وہ صاحب ایمان محسوس ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ کفر کی راہ پر ہے، ایمان کا مسئلہ بہت نازک ہے، بعض اوقات انسان ہنسی مذاق میں، غیظ و غضب اور ضد و عناد میں ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو اسے دولت ایمان سے محروم کر دیتی ہیں اور اسے خبر تک نہیں ہوتی، ظاہر ہے اس نادانستہ خسران و محرومی سے

انسان پر جیسے دوسروں کے حقوق ہیں، اسی طرح اس پر خود اپنی ذات کا، اپنے بال بچوں اور اپنے عزیزوں کا بھی حق ہے، بلکہ یہ حق نسبتاً زیادہ اہم اور قابل توجہ ہے اور آخرت میں اس کے بارے میں جواب دہی بھی زیادہ ہے، انسان پر اس کی ذات کے اور اس کے اہل و عیال کے کیا حقوق ہیں اور اپنے زیر پرورش لوگوں کے تئیں اس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ قرآن وحدیث میں جا بجا اس کا ذکر ہے، یہ حقوق انسان کی مادی ضروریات سے متعلق بھی ہیں اور اس کی دینی اور اخروی حاجات سے متعلق بھی اور یقیناً اس کی دینی حاجات سے متعلق حقوق زیادہ اہم ہیں، کیونکہ مادی ضرورتوں کا تعلق تو ایسے مستقبل سے ہے جو چند سالہ ہے اور جس کی انتہاء قبر کی منزل پر ہوتی ہے، لیکن دینی اور اخروی ضرورتیں ایسے مستقبل سے متعلق ہیں، جن کی کوئی نہایت نہیں، اس لئے ایک صاحب ایمان جو آخرت میں جواب دہی کا احساس رکھتا ہو اور جو اس دنیا پر یقین کرتا ہو، یقیناً اس وسیع اور نہ ختم ہونے والے مستقبل سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید نے انسان کو اسی کی

سے عبارت ہے۔

غرض انسان کے اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو آخرت کی آگ سے بچانے اور جہنم کی بھٹی سے محفوظ رکھنے کا واحد راستہ ایمان اور عمل صالح ہے اور ایمان ہو یا عمل صالح، جب تک دین کا علم نہ ہو، احکام شریعت سے آگہی نہ ہو، کتاب و سنت سے واقفیت اور دین کا فہم نہ ہو، حاصل نہیں ہو سکتا اور ایمان و عمل کا حق جہل و نا آگہی کے ساتھ ادا نہیں کیا جاسکتا۔

اس لئے ہر مسلمان کے لئے اپنی ضروریات کے مطابق علم دین کا حصول فرائض میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ وضاحت ارشاد فرمایا کہ: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم، شاید ہی دنیا کے کسی مذہب میں علم کی یہ اہمیت ظاہر کی گئی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اور کوئی علم داخل ہو یا نہ ہو، علم دین تو ضرور ہی داخل ہے، کیونکہ یہ ایسا فریضہ ہے کہ جس کے بغیر دین کا کوئی فرض ادا ہو ہی نہیں سکتا، وضو اس لئے فرض ہے کہ اس سے نماز ادا کی جائے، حرمین شریفین کا سفر اس لئے فرض ہے کہ حج کی ادائیگی ہو سکے، تو علم سے تو تمام ہی فرائض متعلق ہیں، نماز و روزہ حج و زکوٰۃ، نکاح و طلاق، حلال و حرام، خلوت و جلوت اور رزم و بزم، کوئی جگہ ہے اور کونسا موقع ہے، جہاں انسان علم کا محتاج نہ ہو، اس لئے علم دین اہم

ترین فریضہ ہے، ایسا فریضہ کہ جس پر تمام فرائض کی ادا ہو سکتی ہے۔

اس لئے یقیناً قرآن مجید نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچانے کا حکم دے کر بالواسطہ علم کی طرف متوجہ کیا ہے، ہندوستان کی موجودہ حالات میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے، ہمارے سرکاری نظام تعلیم میں آزادی کے بعد ہی سے ہندو تہذیب کی چھاپ ڈالنے کی کوشش رہی ہے، لیکن اب یہ کوشش بے لباس اور تیز رفتار ہے، مسلمان بچوں کو مشرکانہ فکر سے مانوس کیا جا رہا ہے، دیویوں اور دیوتاؤں کا تقدس ان کے ذہنوں میں بٹھایا جاتا ہے، ہندو بزرگوں کی عظمت ان کے قلوب میں راسخ کی جاتی ہے، مسلمانوں کی تاریخ کو ڈاکوؤں اور لٹیروں کی تاریخ کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، تاکہ مسلمان بچے احساس کمتری میں مبتلا ہوں، یہاں تک کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور اسلام کے قرن اول کی تاریخ کو بھی مسخ کر کے پیش یا جاتا ہے، تاکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء کی عظمت نئی نسل کے دل سے نکل جائے، اس صورت حال میں مسلمانوں کی نئی نسل کے لئے دینی تعلیم کی اہمیت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔

دینی تعلیم کا ایک درجہ تو ضروریات دین کی تعلیم کا ہے، یہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، ہمارے جو بچے عصری درسگاہوں میں زیر تعلیم ہیں، ان کے لئے بھی قرآن مجید کا

باجوید ناظرہ، کچھ سورتوں کا حفظ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، ضروری فقہی مسائل اور شب و روز کے مختلف احوال سے متعلق جو ادعیہ و اذکار منقول ہیں، ان کا یاد کرانا تو ہر مسلمان بچے کے لئے ضروری ہے۔ اب اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضروری ہو گئی ہے کہ ان کو اسلام کی اور مسلمانوں کی تاریخ بھی پڑھائی جائے، تاکہ وہ احساس کمتری سے بچ سکیں اور اسلام پر مغربی مصنفین اور ان سے متاثر ہو کر مشرق کے اہل علم جو اعتراضات کرتے ہیں، ان کے جواب میں بھی رہنمائی کی جائے، تاکہ غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کے دام ہم رنگ زمین سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

علم دین حاصل کرنے کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ امت میں کچھ لوگ قرآن و حدیث کا تفصیلی علم حاصل کریں، کتاب و سنت پر ان کی گہری نگاہ ہو، فقہ اسلامی پر ان کی وسیع نظر ہو۔ ایمانیات اور عقائد کی گہرائیوں تک ان کی رسائی ہو، ہر عہد میں اسلام کے خلاف جو فتنے کھڑے ہوں، وہ ان کے مقابلہ کی صلاحیت کے اہل ہوں، وہ اسلام کی فکری سرحدوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دیں اور اپنے عہد کے پیدا ہونے والے مسائل کو فراستِ ایمانی کے ساتھ کتاب و سنت کی روشنی میں حل کریں، یہ امت پر فرض کفایہ ہے، جیسے کسی ملک کی سرحد پر فوج کا دستہ کھڑا رہتا ہے، ظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس پر مفت میں کثیر اخراجات ہو رہے

ہیں، لیکن حقیقت میں وہ ملک کے سب سے بڑے محسن اور اس کی سلامتی کے ضامن ہیں، یہی مقام فکری اعتبار سے کسی بھی سماج میں علماء دین کا ہے، یہ ہمارے معنوی وجود، ہمارے فکری تشخص اور ہمارے تہذیب امتیازات کے محافظ ہیں، کسی سماج میں اگر کوئی عالم نہ ہو تو کافرانہ طاقتیں اعلانیہ یا نادانستہ ان کو اچک سکتی ہیں، عالم ممکن ہے عمل کے اعتبار سے کوتاہ ہو، لیکن ان شاء اللہ وہ کسی گمراہی کے بارے میں غلط فہمی میں نہیں پڑ سکتا اور پروپیگنڈہ سے متاثر نہیں ہو سکتا، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی خاندان ایسا نہ ہو جو عالم دین سے خالی ہو، یہ ان شاء اللہ اس پورے خاندان کے لئے حفاظت دین کی ضمانت ہے۔

بد قسمتی سے مسلمانوں نے ایسا سوچ لیا ہے کہ یہ عظیم الشان علم صرف غریب اور پسماندہ مسلمانوں کے لئے ہے، مسلمانوں میں صرف الحال اور اصحاب ثروت کا طبقہ علم دین کی طرف سے بالکل ہی بے توجہ ہے، بلکہ وہ اسے حقارت اور کمتری کی نظر سے دیکھتا ہے، یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہے، یہ سمجھنا تو درست نہیں کہ یہ غریب طلبہ، کند ذہن اور فکری اعتبار سے مفلس ہوتے ہیں، کیونکہ ذہانت کا دولت و غربت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ تجربہ یہ ہے کہ غریب ماحول کے بچے علم کی طرف زیادہ متوجہ رہتے ہیں، چنانچہ اس وقت آئی اے ایس اور اعلیٰ تعلیم

کے شعبوں میں زیادہ تر اسی طبقہ سے طلبہ کامیابی حاصل کر رہے ہیں، لیکن اس کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ جو طالب علم معاشی اعتبار سے پس ماحول سے اٹھتا ہے، وہ بہر حال نفسیاتی اعتبار سے احساس کمتری کا شکار رہتا ہے اور سماج میں جو مرفہ الحال طبقہ ہے، اس سے آنکھیں ملا کر بات کرنے کی قوت اپنے اندر نہیں پاتا، اس سے سماج میں کچھ لوگ دینی رہنمائی اور اپنی کوتاہیوں کی اصلاح سے محروم رہتے ہیں، اگر سماج کے معزز سمجھے جانے والے لوگ علم دین حاصل کریں تو وہ اپنے طبقہ کے لوگوں سے آنکھیں ملا کر باتیں کر سکیں گے اور بے حجب اسلامی تعلیمات کو ان کے سامنے پیش کریں گے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ سماج کے معزز اور مرفہ الحال لوگ علم دین کی طرف متوجہ ہوں اور اس علم کو حاصل کرنے میں آگے آئیں۔

قابل فکر امر یہ ہے کہ آخر علم دین کی طرف سماج کے اونچے طبقے کی توجہ کیوں نہیں ہے؟ حالانکہ ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ جو بچے دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان میں تہذیب و دانشگی اور بڑوں کی توقیر، چھوٹوں کے ساتھ شفقت، اپنے پرانے کے ساتھ حسن سلوک، نگاہ اور زبان کی حفاظت اور اپنے فرائض کے تئیں جواب دہی کے احساس کا عنصر زیادہ ہوتا ہے، لیکن کیا بات ہے کہ اس کے باوجود علم کا یہ شعبہ لوگوں کے التفات سے محروم ہے،

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جو لوگ دین اور علم دین کی خدمت میں مشغول ہیں، ان کے پاس مادی وسائل کم ہیں، ان کو کم تنخواہوں پر اکتفا کرنا پڑتا ہے، یہی ایک بات ہے جس نے مادہ پرست اذہان اور حریصانہ فکرو ذہن کے حاملین کو علم دین کی طرف آنے سے روکا ہوا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ان کے بچوں کا مستقبل کیا ہوگا؟ وہ کیا کھائیں گے؟ اور کیونکر زندگی گزاریں گے؟

اس سلسلہ میں مسلمان سماج کے لئے دو باتیں قابل توجہ ہیں: اول یہ کہ کیا مسلمانوں کا معاشرہ اپنے دینی تحفظ کے لئے ایک ایسے طبقہ کی صحیح طریقہ پر کفالت نہیں کر سکتا جن کی تعداد بہ مشکل ایک فی ہزار ہوگی؟ اگر مسلمان اپنی دوسری ضروریات کی طرح دینی خدمت گزاروں کو بھی اپنے لئے ایک ضرورت باور کریں اور فراخ حوصلگی کے ساتھ ان کے تعاون کے لئے ہاتھ بڑھائیں اور خادمین دین کو کم سے کم معاشی اعتبار سے اس لائق بنائیں کہ وہ متوسط طریقہ پر سماج میں اپنی زندگی بسر کر سکیں، تو یقیناً اس علم میں بے اعتنائی اور بے رغبتی کی یہ کیفیت باقی نہیں رہے گی اور یہ کچھ مشکل نہیں ہے، بعض وہ تو ہیں جو باطل فکر و نظر کی حامل ہیں، اپنے مذہب اور مذہبی شخصیتوں کے لئے کل آمدنی کا دس فیصد وقف کی ہوئی ہیں، مسلمان اتنی بڑی قوم ہے کہ اگر وہ آمدنی میں دین کے خدمت گزاروں کے لئے ایک فیصد بلکہ نصف

فیصد بھی حصہ مقرر کر لیں تو ان کے ائمہ، مؤذن، علماء اور دینی کام کرنے والے بہتر حالات میں اپنی زندگی گزار سکتے ہیں اور بعض اوقات غربت و احتیاج کی وجہ سے اس طبقہ میں جو دنائت اور پستی کی بعض باتیں پیش آتی ہیں، ان کی نوبت بھی نہ آئے گی، کاش! مسلمان اس پہلو سے غور کریں، کہ خادمین دین کے وقار کو بلند کرنا دراصل خود دین کے وقار کو بلند کرنا ہے۔

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ آج کی دنیا میں معیشت کا علم سے کچھ زیادہ ربط نہیں ہے، ہمارے اسی شہر میں کتنے لوگ ہیں جو نشانِ ابہام سے کام چلاتے ہیں، لیکن اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ان کے ملازم ہیں اور دولت ان کے قدموں میں ٹار ہے، کتنے انجینئر بیکار ہیں اور کتنے ڈاکٹر بے روزگار ہیں اور کتنے قانون دان مؤکل کی تلاش میں خاک چھانٹتے نظر آتے ہیں، اس لئے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اگر ایک شخص علم دین حاصل کرے گا تو بھوکا مرے گا اور دوسرے علوم حاصل کرے گا تو اس کے گھر میں ”ہن“ برسنے لگیں گے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رزاق اور روزی رساں ہیں، چاہیں تو پڑھے لکھے لوگوں کو محروم رکھیں اور چاہیں تو جاہلوں کو سرفراز فرمادیں، پھر یہ ایک نظریہ نہیں، بلکہ تجربہ اور آزمودہ حقیقت ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کے کام میں مشغول ہیں، اللہ ان کو ضائع نہیں کرتا اور غیب سے ان کی کفالت کا سرسماں کرتا ہے، آخر اسی معاشرہ میں وہ

دینی تعلیم یافتہ لوگ بھی موجود ہیں جو خوش پوش بھی ہیں، باعزت طریقہ پر اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں اور کسی کے سامنے دست سوال پھیلانے پر مجبور نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے امت کے دل میں ان کی محبت اس طرح ڈال دی ہے کہ مشکل مواقع پر بلا کہے سنے اور بلا طمع و اشراف وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں، اس لئے بھروسہ اللہ پر ہونا چاہئے، اگر ایک مسلمان میں اللہ کی رزاقیت کا یقین بھی نہ پیدا ہو، تو یہ کیسا کھوکھلا اور بے روح ایمان ہے؟

پس ہندوستان کے موجودہ حالات میں اور عالمی حالات کے پس منظر میں یہ بات ضروری ہے کہ مسلمان دینی تعلیم کی

اہمیت کی طرف متوجہ ہوں، آج ہمارے ملک میں مدارس اسلامیہ کے خلاف آوازیں اٹھائی جا رہی ہیں، عالمی سطح پر بھی ان کو بنیاد پرستی اور دہشت گردی کا مرکز قرار دیا جا رہا ہے، یہ سب ان لوگوں کی زبان ہے کہ اسلام سے جن کی عداوت ظاہر و باہر ہے، اعداء اسلام کا یہ رویہ سرمایہ جبرت ہے، جو لوگ حق و راستی کے دشمن ہوں، وہ تو مدارس کی اہمیت کو سمجھ لیں کہ جو لوگ صاحب ایمان اور اسلام کے نام لیا ہیں، وہی اسلام کی حفاظت اور اس کی بقا میں مدارس کی کردار کی اہمیت کو نہیں سمجھیں، اس سے زیادہ قابل افسوس اور کیا بات ہوگی؟

○○○

ضروری اعلان

محترم قارئین کرام!

جن لوگوں کو دفتر کی جانب سے بقایا بات کے خطوط روانہ کئے گئے ہیں، ان سے گزارش ہے کہ جلد از جلد بقایا رقم ادا فرمادیں، اس وقت ادارے کو رقم کی سخت ضرورت ہے نیز اگر رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو، مطلع کر دیں تاکہ ادارے کا مزید نقصان نہ ہو۔ جو حضرات دفتر سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہوں وہ ۲ بجے سے شام ۵ بجے تک فون پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر بند رہتا ہے۔ دفتر کھلنے کا وقت ۲ بجے سے ۵ بجے تک ہے، دیگر اوقات میں فون نہ کریں۔

رابطہ کیلئے: Mobile : 9415911511

دین کی بنیادیں اور تقاضے

دین میں کوئی جبر نہیں۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ۔ (البقرہ: ۲۰۶/۲۵۶)
دین کے معاملے میں کوئی زور
زبردستی نہیں ہے۔

اس چیز کو منوانے کے لئے کوئی تلوار
استعمال نہیں کی جائے گی، کوئی زبردستی نہیں
کی جائے گی، کیونکہ زبردستی آپ کسی کو
منافق تو بنا سکتے ہیں کہ وہ طاقت کے سامنے
زیر ہو کر زبانی کلامی آپ کو مومن نہیں
ڈالے لیکن زبردستی آپ اس کو مومن نہیں
بنا سکتے۔ اس لئے کہ مومن آدمی اپنی مرضی
سے بنتا ہے۔ اگر اس کے دل کے اندر بات
اُترے، اُس کا دماغ اس کو قبول کرے، اس
کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے، اس کے
ذہن میں یہ بات اُتر جائے، تب تو حقیقت
میں آدمی مومن بنتا ہے اور صحیح معنوں میں
خدا کا فرمانبردار بن سکتا ہے۔ اسی صورت
میں وہ جنت کا اور خدا کے ہاں مقبولیت کا
مستحق قرار پائے گا۔ اگر آپ نے اسے
ڈنڈا دکھا کر کلمہ پڑھا دیا تو کسی بھی وقت وہ
آپ کو کبھی دھوکا دے گا اور آپ کی قوت کا

بھی ذریعہ نہیں بنے گا۔ آخرت میں بھی
اس کو کچھ نہیں ملے گا بلکہ دوزخ کا بدترین
ٹھکانا اس کا مقدر ٹھہرے گا۔ جیسا کہ قرآن
پاک میں منافقوں کے لئے ارشاد فرمایا گیا
ہے: "إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الذُّكْرِ
الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" (النساء: ۱۳۵/۱۳۵)
"یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب
سے نیچے طبقے میں جائیں گے۔" وہ جہنم
کے سب سے نچلے گڑھے میں ڈالے
جائیں گے جہاں سے وہ شاید کروڑ ہا برس
کی مسافت طے کر کے جہنم کے کنارے پر
پہنچ سکیں گے۔ وہ اتنا گہرا گڑھا ہوگا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا
إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ، یعنی یہ بات ہم زبردستی
کسی سے نہیں منوا سکتے۔ یہ ہم نے بتا دیا کہ
وہ خدا کیسا ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ اس
کی قوت کیا ہے؟ لیکن اس بات کو ہم
زبردستی نہیں منوا سکتے، اس لئے کہ دین میں
جبر نہیں ہو سکتا۔

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ صحیح
بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ

دی گئی ہے۔

صحیح بات کو جو عقل اور معقولیت کے
مطابق بات ہے اس کو بالکل منزه کر کے
واضح کر کے اور صاف کر کے تمام آلائشوں
سے پاک کر کے ہم نے سامنے رکھ دیا ہے
اور غلط بات کو الگ کر کے رکھ دیا ہے۔ اب
جس کا جی چاہے اس کو قبول کر لے اور جس
کا جی چاہے اس کو رد کر دے۔

مضبوط سہارا

فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن
بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقَى، لِأَنَّ نَفْسَامَ لَهَا، وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ۔ (البقرہ: ۲۰۶/۲۵۶)

اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ
پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط
سہارا تمام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ
(جس کا سہارا اُس نے لیا ہے) سب کچھ
سننے والا اور جاننے والا ہے۔

پھر جس "طاغوت" کو رد کر دیا اور اللہ
کو تسلیم کر لیا اور اللہ کے سامنے سر جھکا دیا،
اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا پکڑ لیا ہے جو
کبھی دھوکا دینے والا نہیں، جو کبھی ٹوٹنے والا
نہیں۔ جس میں کوئی کمزوری نہیں ہے، جو
ہر وقت سہارا دینے والا ہے۔ اس کو پکڑ لینے
کے بعد کبھی آپ کے پاؤں میں لغزش نہیں
آئے گی، جو آپ میں کبھی کمزوری نہیں پیدا
ہونے دے گا۔ اس لئے آپ اس سہارے
کو تھامیں۔ پھر اگر آپ کسی وقت اس کو

پکارنے کی ضرورت محسوس کریں تو جہاں آپ نے زبان سے بات نکالی تو فوراً اس تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود نے آگ میں پھینکنے کا انتظام کیا اور اس کے لئے آگ کا ایک بڑا خوف ناک الاؤ تیار کیا اور آگ میں پھینکنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جہنیق میں ڈالا کہ اُس کی قوت کے جھکے سے انہیں ہدایتی آگ میں پھینکے۔ اس وقت حضرت جبرائیل امین ان کے پاس آئے اور عرض کیا: یا خلیل اللہ! آپ کو کسی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ مدد کے لئے آئے ہیں تو آپ کی مدد کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت جبرائیل نے کہا کہ خدا سے مدد مانگیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ یہ سب کچھ تو میرے رب کے سامنے ہو رہا ہے۔

گویا خدا تو وہ ہے جسے پکارنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، جس کے علم میں سب کچھ ہے، وہ دیکھ رہا ہے، وہ سن رہا ہے، وہ سمجھ رہا ہے، وہ علیم و بصیر اور خبیر ہے۔ اس کو خبر بھی ہے اور علم بھی۔

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا لَا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ. وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الظُّلُمَاتُ

يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ، هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ. (البقرة: ۲۵۷/۲)

جو لوگ ایمان لاتے ہیں، ان کا حامی و مددگار اللہ ہے اور وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، اُن کے حامی و مددگار طاغوت ہیں اور وہ انہیں روشنیوں سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ یہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ ان لوگوں کا سرپرست، ساتھی اور دل اور دوست ہے جو اس کو مان لیں، اس پر ایمان لے آئیں۔ وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور جو لوگ اس کا انکار کریں، اس سے سرکشی کا راستہ اختیار کریں وہ ان کو طاغوت کے سپرد کر دیتا ہے۔ یعنی جو خدا کے سرکش ہیں، خدا کے منکر ہیں اور خدا کے نافرمان ہیں، اور یہ کہ وہ نہ صرف خود خدا کے نافرمان ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اللہ کا نافرمان بنا کر اپنے تابع فرمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ. اور وہ ان کو روشنی سے نکال کر عقل اور فراست کے راستے سے نکال کر اندھیروں اور تاریکیوں کے راستے میں پھینکنے پر ڈال دیتے ہیں۔ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ، هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں اور وہ آگ ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔

اہل ایمان کی مدد

اس کے بعد ایک مثال بیان فرمائی کہ کس طرح سے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں اور اپنی اوپر ایمان لانے والوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کو راستہ دکھاتا ہے اور ان کو تارکی میں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے:

الَّذِي تَدْرَأِي الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِئ رَيْبٍ أَنْ أَدَّبَهُ اللَّهُ الْمَلَكُ، إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ، قَالَ أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ، قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالسَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ، وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ. (البقرة: ۲۵۸/۲)

کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیم علیہ السلام کا رب کون ہے اور اس بنا پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ”میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے، تو اس نے جواب دیا: ”زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔“ ابراہیم نے کہا: ”اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا سے مغرب سے نکال لا۔“ یہ سن کر وہ منکر حق ششدر رہ گیا، مگر اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا۔

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کس کس اسلوب میں اپنے بندوں کی رہنمائی کرتا ہے، ایسے دلائل اور باتیں بھجاتا ہے کہ وہ اپنے بالمقابل لوگوں کو خاموش کر دیتے ہیں اور ان کو کوئی بات سمجھتی نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آگ کے الاؤ سے زندہ نکلنے کے بعد نمرود کے پاس گئے، تو اس نے آپ سے کہا کہ: تو کس کو رب مانتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ: میرا رب وہ ہے، جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے۔ جس نے پیدا کیا ہے اور جو موت دیتا ہے، اس نے کہا کہ: ”زندگی اور موت تو میرے ہاتھ میں ہے۔ میں جس کو چاہوں زندہ رکھوں اور جس کو چاہوں قتل کروادوں۔ پھانسی دے دوں اور اس کی زندگی ختم کر دوں، جب اس نے یہ بات کہی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً جواب دیا کہ میرا رب وہ ہے جس کے حکم سے روز مشرق سے سورج نکلتا ہے تو اگر خدا ہے تو ذرا مغرب سے اسے نکال کر دکھا دے؟“ ظاہر بات ہے کہ اس کا کوئی جواب نمرود کے پاس نہیں تھا۔

اللہ کی بندگی کی طرف دعوت

أَفْعَبِدْ رَبِّكَ الْوَالِدِ الْوَالِدِ الْوَالِدِ
أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
مَلُوعًا وَكَرْهًا وَإِثْمًا يُزْجَعُونَ.
(آل عمران: ۸۳)

اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ (دین اللہ) چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چارونا چار اللہ ہی کی تابع فرمان (مسلم) ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے؟

یہ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا یہ لوگ اللہ کے اس دین کو چھوڑ کر کسی اور راستے کو اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ اللہ کے سامنے گردن جھکائیں، اس کی اطاعت کو قبول کریں، اس کے دیے ہوئے طریق زندگی کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس کے قانون کو تسلیم کریں، اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کریں۔ اس کے حلال کو قبول کریں اور اس کے حرام سے اجتناب کریں۔ اس کی ناپسندیدہ چیزوں کو اختیار کریں اور اس کی ناپسندیدہ چیزوں سے اجتناب کریں، اور جو راستہ اس نے بتایا ہے اسے اختیار کریں۔ مگر یہ لوگ اس کو اختیار کرنے کے بجائے کسی اور راستے کو اختیار کرنا چاہتے ہیں، یا یہ کوئی اور راستہ خود بنانا چاہتے ہیں یا لوگوں کا بنایا ہوا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ اپنی آنکھوں سے اس بات کو دیکھ رہے ہیں کہ زمین و آسمان میں ہر چیز اللہ کے مقرر کردہ راستے پر چلی جا رہی ہے۔ سورج، چاند، ہوائیں، پہاڑ، سمندر، دریا، زمین و آسمان کی تمام قوتوں کو دیکھیں، بارشوں کو دیکھیں، فصلوں کو اگتا ہوا دیکھیں، زندگی اور موت

کو دیکھیں، اپنے جسم کو دیکھیں، اپنے سانس کی آمد و رفت کو دیکھیں، دنیا کا جتنا بھی نظم و نسق ہے اس کو کون چلا رہا ہے؟ دنیا کے اندر جو قوانین فطرت (Laws of Nature) رائج ہیں، یہ کس کے بنائے ہوئے ہیں؟ کیا کسی بادشاہ کے بنائے ہوئے ہیں یا کسی اسمبلی یا پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ تمام دنیا کا نظام اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت چل رہا ہے، اور پوری دنیا کا نظام خدا کے بنائے ہوئے ایک راستے پر چل رہا ہے، تو کیا تم اس راستے سے ہٹ کر کسی اور راستے پر چلنا چاہتے ہو؟ دراصل ہمیں دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر خدا کے قوانین زندگی کے مطابق چلنے کا اہتمام کرو۔ کل مرنے کے بعد تمہیں اسی کے سامنے جا کر پیش ہونا ہے اور تمہاری جانچ پڑتال ہوگی کہ تم اپنی زندگی کے معاملات کو کس قانون کے مطابق چلا رہے تھے؟ کیا اسی قانون کے مطابق جس کے مطابق دنیا کا نظام چل رہا تھا اور خود تمہارا جسم پل بڑھ رہا تھا، بیمار ہوتا اور تندرست و توانا ہوتا تھا، تمہاری سانس چل رہی تھی، دماغ کام کر رہا تھا اور تمہارے اعضاء حرکت کر رہے تھے؟ تم نے اسی قانون کے مطابق اپنی زندگی کے اختیاری شعبے میں اپنے معاملات کو چلایا، یا تم نے کسی من

کھڑت قانون کے تحت اپنی زندگی بسر کی؟
راہ نجات

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ عَلَيْنَا
وَمَا اُنزِلَ عَلٰى اٰبِاٰئِنَا وَاَسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبٰطَ وَمَا
اُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ
رَبِّهِمْ، لَآ نَفْرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ،
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔

(آل عمران: ۸۴/۳)

اے نبی، کہو کہ ”ہم اللہ کو مانتے ہیں،
اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی
ہے، ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیم،
اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب پر
نازل ہوئی تھیں، اور ان ہدایات پر بھی ایمان
رکھتے ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے
پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی
گئیں۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے،
اور ہم اللہ کے تابع فرمان (مسلم) ہیں۔“

اس کے بعد راہ نجات کو واضح کیا گیا
ہے کہ اے نبی، آپ یہ فرمادیں کہ ہم نے
اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کو اختیار کر لیا
اور تسلیم کر لیا ہے اور اس دین کو مان لیا ہے
جو ہمیں براہ راست بتایا گیا ہے کہ یہ اللہ کا
دین ہے۔ وہ دین جو اس نے ابراہیم،
اسماعیل، اسحاق، یعقوب، موسیٰ، عیسیٰ اور
ان کے بعد جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے
ان سب کو بتایا تھا۔ ہم ان سب کے دین کو
قبول کرتے ہیں اور ان سب انبیاء علیہم

السلام کے پاس ہمیشہ ایک ہی دین آتا رہا
ہے اور ہم نے اس کے سامنے سر تسلیم خم
کر دیا ہے۔ وہ دین پوری دنیا کا دین ہے
اور اس میں نافذ ہے۔ سورج سے لے کر
ذرے تک، اور آسمان سے لے کر تحت
الارضیٰ تک اور پہاڑوں سے لے کر
دریاؤں تک، گویا کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز
اور ہر چیز کا وہی دین ہے اور ہم نے بھی اسی
دین کو اختیار کر لیا ہے۔

باطل نظام کی حقیقت

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا
فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ، وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (۸۵/۳)

اس فرما بجا برداری (اسلام) کے سوا جو
شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا
وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور
آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔

کہا جا رہا ہے کہ خدا کے سامنے سر
جھکا کر اس کے قانون کے سامنے سر تسلیم خم
کر دو۔ جو کوئی زندگی بسر کرنے کے اس
طریقے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرے
گا، اللہ تبارک و تعالیٰ نہ اس کو اس دنیا میں
پہنچنے دے گا اور نہ آخرت میں پہنچنے دے گا۔
اب ہم اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتے
ہیں کہ جہاں تک خدا کے دین کا تعلق ہے،
خدا کے قانون کا تعلق ہے، یہ آدم سے لے
کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی دین رہا

ہے کہ اس خدا کے سامنے سر جھکا کر، اللہ تعالیٰ
نے ممنوع قرار دے دیا ہے ان سے اجتناب
کیا جائے، اور جن کو اس نے جائز رکھا ہے
ان کو اختیار کیا جائے اور جن کو میں نے ناجائز
رکھا ہے ان سے اجتناب کیا جائے۔

اسلام، دین حق کے مقابلے میں جو
باطل نظام زندگی اختیار کئے جاتے رہے
ہیں، آدم سے لے کر آج تک ہزاروں
نظام اختیار کئے گئے ہیں، ان میں سے ایک
بھی آزمائے جانے کے بعد پھر دوبارہ ابھر
کر سامنے نہیں آیا۔ کہیں سرمایہ داری ہے،
جاگیر داری اور قبائلی نظام ہے، برادری
ہے، کہیں بادشاہی ہے، کہیں ڈکٹیٹر شپ
ہے، کہیں جمہوریت ہے۔ جمہوریت کی بھی
آج بیسیوں قسمیں ہیں۔ ہر ملک کی
جمہوریت الگ ہے۔

اسی چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے
فرمایا کہ جو کوئی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا
طریقہ اختیار کرے گا، اس کو ہرگز قبول نہیں
کیا جائے گا اور آخرت میں اس کو معلوم ہوگا
کہ اس نے گھائٹے کا سودا کیا۔ اس دنیا میں
بھی حقیقت میں جو بھی نظام کوئی اختیار کرتا
ہے، وہ وقتی طور پر کچھ دیر کے لئے چلتا ہے
اور اس کے بعد وہ مٹ جاتا ہے۔ ہر
حکمران آ کر اس کے اندر مداخلت کر کے
اپنے حسب منشا اس کو ڈھالنے کی کوشش کرتا
ہے، لیکن صرف ایک اسلام کا نظام ہے جو
ایک خدا کے قانون کے تحت چلتا ہے۔

ایمان لانے کے بعد کفر کی روش
 كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا
 بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ
 حَقٌّ وَّجَاءَ هُمْ بِالْبَيِّنَاتِ، وَاللّٰهُ
 لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

(آل عمران: ۸۶/۳)

کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو
 ہدایت بخشے جنہوں نے نعمت ایمان پالینے
 کے بعد پھر کفر اختیار کیا، حالانکہ وہ خود اس
 بات پر گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسول حق پر
 ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آچکی
 ہیں۔ اللہ ظالموں کو تو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ہی بتاؤ کہ
 اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے کہ
 جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نافرمانی کا
 راستہ اختیار کیا۔ وہ ایمان لائے اور انہوں
 نے تصدیق کی کہ اللہ کا رسول سچا رسول ہے
 اور اس کے بعد پھر کفر کا راستہ اختیار کر لیا۔

اس وقت یہی ہماری قوم اور ہمارے
 مسلم حکمرانوں کی صورت حال ہے کہ وہ
 شہادت دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 اللہ کے سچے رسول ہیں۔ شہادت دیتے
 ہیں کہ قرآن، اللہ کی کتاب ہے۔ شہادت
 دیتے ہیں کہ اسلام ہمارا دین ہے۔ لیکن
 کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی شریعت کو قبول نہیں
 کریں گے۔ اسی بات پر اللہ تعالیٰ کہتے
 ہیں کہ جو لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ اللہ
 کا رسول سچا ہے، اسلام سچا دین ہے اور اس

کے بعد پھر وہ کفر کے راستے پر چلنے کی
 کوشش کریں، تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ
 کیسے ہدایت دے۔

زندگی ایک امتحان

اللہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ زبردستی
 چھٹڑی لگا کر لوگوں کو اسلام کے راستے پر
 چلائے۔ اللہ کا طریقہ تو یہ ہے کہ انسان کو یہ
 بات سمجھا دے اور ان کی زبان سے اس کا
 اقرار کروا دے کہ اللہ ایک ہے، محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ کی کتاب
 قرآن ہے اور وہ اسے مان لیں۔ اس کے
 بعد دین پر چلنا یا نہ چلنا اس نے ان کی آزاد
 مرضی پر چھوڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
 کہ اگر میں پہاڑوں کو اپنی مرضی سے چلا رہا
 ہوں، دریاؤں، ہواؤں اور ستاروں کو
 چلا رہا ہوں، زمین و آسمان کی بڑی بڑی
 قوتوں کو چلا رہا ہوں، تو کیا انسان کو اپنی
 مرضی کے مطابق نہیں چلا سکتا تھا؟

انسان کو چونکہ میں نے پیدا اس لئے
 کیا ہے کہ اس مخلوق کو آزادی دی جائے۔
 اگر یہ اپنی مرضی سے میری مرضی پر چلے تو
 اسے جنت دی جائے اور اپنی مرضی سے
 نافرمانی کی راہ پر چلے تو پھر اسے جہنم میں
 ڈالا جائے۔ یہی ایک صاحب اختیار مخلوق
 ہے۔ اسی بنا پر اسے جنت دی جائے گی اور
 اس بنا پر اسے سزا دی جائے گی۔ باقی تمام
 مخلوق کو ہم نے زبردستی اپنی مرضی پر چلنے پر

مجبور کر دیا ہے۔ اس لئے نہ اس کے لئے
 جنت ہے اور نہ جہنم۔ یہ مرے گی تو ختم
 ہو جائے گی، اور اس کا سلسلہ حیات ختم
 ہو جائے گا۔ صرف انسان ایسی مخلوق ہے
 جس کے لئے جنت بھی ہے اور جہنم بھی۔
 جزا بھی ہے اور سزا بھی۔ اس لئے میں
 انسان کو نہ زبردستی نیکی کے راستے پر چلاتا
 ہوں اور نہ زبردستی بدی کے راستے پر، بلکہ
 یہ اس کی مرضی پر چھوڑا ہے۔ اسے عقل
 دے دی ہے، پیغمبروں کے ذریعے سے نیکی
 بدی کا راستہ بتا دیا ہے، اور اس کے اندر نیکی
 اور بدی کی تمیز دے دی ہے۔

ایک برے سے برا انسان بھی جانتا
 ہے کہ جھوٹ اور فریب غلط ہے، چوری
 بدکاری اور زنا کاری غلط ہے، بے حیائی غلط
 ہے اور لوگوں کا مال کھانا غلط ہے۔ دوسری
 طرف سچائی صحیح ہے، دیانت داری صحیح ہے،
 لوگوں کا حق ادا کرنا صحیح ہے، والدین کا حق
 ادا کرنا صحیح ہے۔ جو نیکی ہے اس کو بھی بیان
 کر دیا ہے اور برائی کو بھی بیان کر دیا ہے۔
 لہذا نیکی کو بھی ہر شخص جانتا ہے اور برائی کو
 بھی ہر شخص جانتا ہے۔ اب انسان کو اختیار
 ہے کہ وہ سیدھا راستہ اختیار کرے یا غلط
 راستہ اختیار کرے۔

دین کی یہ چند بنیادی باتیں ہیں جو
 میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا تھا۔ اللہ
 تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

○○○

اللہ بخش فریدی

قوموں کی زندگی میں اخلاق کی اہمیت!

ہیں، بلکہ اس کی عقلی استعداد کو بھی آخر کار کند کر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرہ درندگی کا روپ دھار لیتا ہے اور معاشرہ انسانوں کا نہیں انسان نما درندوں کا منظر پیش کرنے لگتا ہے۔ یہ سب اخلاقی بے حسی کا نتیجہ ہے۔ انسان کی اخلاقی حس اسے اپنے حقوق اور فرائض سے آگاہ کرتی ہے۔ اجتماعی زندگی کا اصل حسن احسان، ایثار، حسن معاملات، اخوت، رواداری اور قربانی سے جنم لیتا ہے۔ جب تک اخلاقی حس لوگوں میں باقی رہتی ہے وہ اپنے فرائض کو ذمہ داری اور خوشدلی سے ادا کرتے ہیں اور جب یہ حس مردہ اور وحشی ہو جاتی ہے تو پورے معاشرے کو مردہ اور وحشی کر دیتی ہے تو وہ لوگوں کے حقوق کو خونی درندے کی طرح کھانے لگتا ہے تو ایسے معاشرے میں ظلم و فساد عام ہو جاتا ہے۔ انسان میں حیوانی حس کا وجود صرف لینا جانتا ہے دینا نہیں۔ چاہے اس کا لینا دوسروں کی موت کی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو۔ اور بد قسمتی سے یہی صورت حال آج ہمارے معاشرہ میں جنم لے چکی ہے۔

اسلام میں ایمان اور اخلاق دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں۔ ایک مسلمان کی پہچان ہی اخلاق سے ہے۔ اگر اخلاق نہیں تو مسلمان نہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک مسلمان ایمان کا تو دعویٰ کرے مگر اخلاقیات سے عاری ہو۔ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کائنات میں اخلاقیات کا سب سے

قیمت نہ رکھتی ہوں اور جہاں شرم و حیاء کے بجائے اخلاقی باخستگی اور حیا سوزی کو منہ مٹانے مقصود سمجھا جاتا ہو اس قوم اور معاشرہ کا صفحہ ہستی سے مٹ جانا یقینی ہوتا ہے خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔ دنیا میں عروج و ترقی حاصل کرنے والی قوم ہمیشہ اچھے اخلاق کی مالک ہوتی ہے، جب کہ برے اخلاق کی حامل قوم زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ یہ منظر آپ اس وقت دنیا میں اپنے شرق و غرب میں نظر دوڑا کر دیکھ سکتے ہیں کہ عروج و ترقی کہاں ہے اور ذلت و رسوائی کہاں ہے؟

اخلاقیات ہی انسان کو جانوروں سے الگ کرتی ہے۔ اگر اخلاق نہیں تو انسان اور جانور میں کوئی فرق نہیں۔ اخلاق کے بغیر انسانوں کی جماعت انسان نہیں بلکہ حیوانوں کا ریوڑ کہلائے گی۔ انسان کی عقلی قوت جب تک اس کے اخلاقی رویے کے ماتحت کام کرتی ہے، تمام معاملات ٹھیک چلتے ہیں اور جب اس کے عقلی جذبے اس پر غلبہ پالیں تو یہ نہ صرف اخلاقی وجود سے ملنے والی روحانی توانائی سے اسے محروم کر دیتے

اخلاق معاشرہ کسی بھی قوم کی زندگی کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتی ہو۔ اخلاق دنیا کے تمام مذاہب کا مشترکہ باب ہے جس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ انسان کو جانوروں سے ممتاز کرنے والی اصل شے اخلاق ہے، اچھے اور عمدہ اوصاف و کردار ہیں جس کی قوت اور درستی پر قوموں کے وجود، استحکام اور بقا کا انحصار ہوتا ہے۔ معاشرہ کے بناؤ اور بگاڑ سے قوم براہ راست متاثر ہوتی ہے۔ معاشرہ اصلاح پذیر ہو تو اس سے ایک قومی، صحت مند اور باصلاحیت قوم وجود میں آتی ہے اور اگر معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو تو اس کا فساد قوم کو گھن کی طرح کھا جاتا ہے۔ جس معاشرہ میں اخلاق ناپید ہو وہ کبھی مہذب نہیں بن سکتا، اس میں کبھی اجتماعی رواداری، مساوات، اخوت و باہمی بھائی چارہ پروان نہیں چڑھ سکتا۔ جس معاشرے میں جموٹ اور بددیانتی عام ہو جائے وہاں کبھی امن و سکون نہیں ہو سکتا۔ جس ماحول یا معاشرہ میں اخلاقیات کوئی

اعلیٰ نمونہ ہیں جس پر اللہ کریم جل شانہ کی کتاب لاریب مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔
إِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقِ عَظِيمٍ۔ (القلم)
 بے شک آپ بڑے عظیم اخلاق کے مالک ہیں۔

اور ایسا کیوں نہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکارم اخلاق کے اعلیٰ معارج کی تعلیم و تربیت اور درستی کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔ جیسا کہ خود آپ مالک خلق عظیم فرماتے ہیں:

بِعِثْتُ لِاتِّمِّمَ مَكَارِمَ اخْلَاقِي۔
 (حاکم، مستدرک)

میں اعلیٰ اخلاق شرافتوں کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ یعنی میں اخلاق شرافتوں کی تمام قدروں کو عملی صورت میں اپنا کر، اپنے اوپر نافذ کر کے تمہارے سامنے رکھنے اور ان کو اسوۂ حسنہ بنا کر پیش کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

ہمارے اقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی پیکر اخلاق تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی اخلاقی تعلیمات سے اپنے آپ کو مزین کر لیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن کے احکام و ارشادات کا آئینہ تھا، قرآن کا کوئی خلق ایسا نہیں ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں نہ سولیا ہو، اسی لئے قرآن کریم میں اللہ عز و جل نے ہمیں نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ**۔

بے شک تمہارے لئے اخلاق کے اعلیٰ معارج کی تکمیل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے میں بہترین نمونہ ہے۔

ایمان و عبادت کی درستی کی عملی نشانی صحت اخلاق ہے بلکہ عبادات و تعلیمات اسلامی کا لب لباب اخلاق کو سنوارنا اور نکھارنا ہے جس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ہوئی ہے۔ **اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خَلْقًا**۔

”مسلمانوں میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جس کا اخلاق سب سے بہترین ہو۔“

ایک اور حدیث مبارکہ ہے: **احسنکم احسنکم خلقاً**۔ تم میں بہتر وہ ہے جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے بہتر ہے۔ اخلاق کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی تربیت دیتے ہوئے فرمایا: ”اخلاق یہ ہیں کہ کوئی تمہیں گالی دے تو تم جواب میں اس کو دعا دو یعنی گالی کا جواب گالی سے نہ دو بلکہ دعا اور اچھے الفاظ سے دو۔ جو تمہیں برا کہے تم اس کو اچھا کہو، جو تمہاری بد خوئی کرے تم اس کی تعریف اور اچھائی بیان کرو، جو تم پر زیادتی کرے تم اسے معاف کر دو۔“

یہ ہمارے لئے اخلاق کی تربیت کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے اگر ہمارا معاشرہ اس پر عمل کرے تو معاشرہ سے تمام اخلاقی خرابیاں خود بخود ختم ہو سکتی ہیں اور معاشرہ

امن، اخوت، بھائی چارہ کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اگر کوئی تمہیں گالی دیتا ہے اور تم اس کے جواب میں اسے دعا دو تو ایک دن اسے خود بخود شرم آئے گی کہ میں تو اسے گالی دیتا ہوں اور وہ مجھے جواب میں دعا دیتا ہے تو مجھے شرم آئی چاہئے کیوں نہ میں بھی اسے دعا دوں اور اس کی تعریف کروں کہ وہ ایک اچھا انسان ہے جو میری گالی کے جواب میں دعا دیتا ہے، گالی کا جواب گالی سے نہیں دیتا۔ اگر کوئی تمہیں برا کہتا ہے اور تم اسے اچھا کہتے ہو تو ایک دن وہ تمہیں اچھا کہنے لگ جائے گا۔ اگر کوئی تم سے زیادتی کرتا ہے اور تم اسے معاف کر دیتے ہو تو اس کے دل میں تمہاری قدر اور خلوص بڑھے گا۔ اگر کوئی تمہارے حقوق تلف کرنے کا موجد بنتا ہے تو تم اس کے حقوق کے محافظ بن جاؤ تو یقیناً ایک دن ضرور اسے بھی شرم آ ہی جائے گی اور اس طرح معاشرہ خود بخود سدھرتا چلا جائے گا۔

بد قسمتی سے آج کے ہمارے اس نرزاں رسیدہ معاشرہ میں اخلاقیات، تہذیب و تمدن اور تربیت و تادیب کے آثار ہی نہیں پائے جاتے جس کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے دوری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم قوموں میں رسوا اور زوال پذیر ہو رہے ہیں اور بگاڑ کا گھن ہمیں دیمک کی طرح کھا رہا ہے۔ وہ دین جس کی حقیقی پہچان اخلاقیات کا عظیم باب تھا اور جس کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے تھے وہ دین جس نے

معاملات کو اصل دین قرار دیا تھا، آج اسی دین کے ماننے والے اخلاقیات اور معاملات میں اس پستی تک گر چکے ہیں کہ عدالتوں میں مقدمات کی بھرمار ہے، جیل خانہ جات میں جگہ تنگ پڑ رہی ہے، گلی گلی، محلہ محلہ میں جگہ جگہ لڑائی، جھگڑا، گالی گلوچ، ظلم و زیادتی، فساد، کینہ، حسد، حق تلفی اور مفاد پرستی عام ہے۔ منشیات کے بازار، ہوس کے اڈے، شراب خانے، جوا، چوری، ڈاکہ زنی، قتل و غارت گری، زنا کاری، رشوت خوری، سود و حرام خوری، دھوکہ دہی، بددیانتی، جھوٹ، خوشامد، دوغلی پن، حرص، طمع، لالچ، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی آخر وہ کون سی اخلاقی مرض اور بیماری ہے جو ہم میں نہیں پائی جاتی۔ خود غرضی اور بد عنوانی و کرپشن کا ایسا کونسا طریقہ ہے جو ہم نے ایجاد نہیں کیا؟ دھوکہ دہی اور مفاد پرستی کی ایسی کونسی قسم ہے جو اس ملک میں زوروں پر نہیں؟ تشدد، تعصب، عصبیت اور انسان دشمنی کے ایسے کونسے مظاہرے ہیں جو ہمارے اسلامی معاشرہ میں دیکھنے کو نہیں ملتے؟ مگر پھر بھی ہم مسلمان کہلوانے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتے۔ ایسے غلیظ اخلاق و اطوار والی قوم کا مسلمان کہلوانا تو دور کی بات، ہمارے اسلاف کہتے ہیں کہ ایسے میں اسلام، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک بھی اپنی ناپاک زبانوں سے لینے کی جسارت نہ کرو اس لئے کہ تم ان کی بدنامی کا باعث بنتے ہو۔

گر نہ داری از محمد رنگ و بو
از زبان خود میا لا نام او
یعنی اگر تمہاری سیرت و کردار، اخلاق و اطوار اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ و بو سے بہرہ ور نہیں، یا تم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی یونہیں آتی تو تمہیں قطعاً یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنی ناپاک زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک لینے کی جسارت کرو مسلمان کہلوانا تو بہت دور کی بات۔

کیونکہ ایسے گھٹیا اوصاف والی قوم کا مسلمان کہلوانا عظیم اخلاق والے دین حق اسلام کو بدنام کرنے والی بات ہے۔ آج دنیا میں اسلام بدنام ہے اور اس کا حقیقی چہرہ مسخ ہو چکا ہے، یہ کسی اور نے نہیں خود ہم نے کیا ہے۔ آج دنیا اس پر طنز و تنقید اور باتیں کسے لگی ہے، آج دنیا کے ہر کونے سے انگلی ہمارے عظمت والے دین پر اٹھتی ہے اس پر نکتہ چینیوں کی جاتیں، اس پر ہنسی، تضحیک اور اس کے خاکے تراشے جاتے ہیں اور باطل اسے دنیا سے ناپید کرنے کی کوشش میں ہے۔ آج دنیا اسے بدخلقی، ناانصافی، ظلم و زیادتی کا دین تصور کرتی ہے صرف ہمارے اوصاف کی وجہ سے۔ صحیح و اکمل دین کی دنیا میں ذلت و رسوائی کا سبب ہم ہیں، ہمارے سیاہ اوصاف ہیں، ہمارے غلیظ اخلاق ہیں، ہمارے گندے اطوار ہیں کیونکہ ہم خود اس کا حقیقی چہرہ مسخ کر کے اور اس کا حلیہ بگاڑ کر دنیا کو دکھا رہے ہیں جس کے سبب دنیا اسلام پر طنز

اور نکتہ چینیوں کرتی ہے۔ مجھے یہاں ایک ہندو شاعر کی اسلام پر طنز و تنقید یاد آ رہی ہے جو چند دن پہلے میری نظر سے گزری۔ ہندو شاعر لکھتا ہے۔

جام پے جام پیا اور مسلمان رہے
جس نے پالا پیپیر کو وہ رہا کافر
قتل اماموں کو کیا اور مسلمان رہے
یزید یوں نے قتل حسین کیا اور مسلمان رہے
یہی دین ہے تو اس دین سے توبہ ماقبور
شک پیپیر پہ کیا اور مسلمان رہے

یہ اس شاعر نے ہمارے اخلاق رویہ ہی کی عکاسی ہے۔ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو خلافت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں، مگر ایسی وضالت کی تمام حدیں پار کر چکے ہیں مگر ہم ان کو مسلمان کہتے ہیں۔ ہم میں ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محسنین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کرنے والے آپ کے شفیق چچا دادا اور چچا حضرت سیدنا عبدالمطلب اور حضرت سیدنا ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو کافر گردانتے ہیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ نہیں پڑھا اور یزید یوں اور یزید جیسے درند نے کو مسلمان کہتے ہیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ ہم میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینیوں کرنے والے اور عیبوں کا سراغ لگانے والے گروہ بھی موجود ہیں مگر ہم ان کو بھی مسلمان کہتے ہیں۔

حکیم الامت، ترجمان حقیقت

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بد اخلاق امت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں رسوائی رکھتی ہوئی ہے۔

ہاتھ بے زور ہیں، الحاج سے دل خوگر ہیں امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اخلاقی بگاڑ آج ہماری زندگی کے ہر شعبے میں داخل ہو چکا ہے۔ معاملہ عبادات کا ہویا

معاملات کا، حقوق و فرائض ہوں یا تعلیم و تربیت، دیانت، صدق، عدل، ایفائے عہد، فرض شناسی اور ان جیسی دیگر اعلیٰ اقدار کا ہم میں فقدان ہے۔ کرپشن اور بد عنوانی ناسور کی طرح معاشرے میں پھیلی ہوئی ہے۔ ظلم و نا انصافی کا دور دورہ ہے۔

لوگ قومی درد اور اجتماعی خیر و شر کی فکر سے خالی اور اپنی ذات اور مفادات کے اسیر ہو چکے ہیں۔ یہ اور ان جیسے دیگر

منفی رویے ہمارے قومی اجتماعی مزاج میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ وہ صورت حال ہے جس پر ہر شخص گفٹ افسوس ملتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ اخلاقی بگاڑ اور رواداری و معاملات کی بیخ کنی جو کسی بھی اسلامی معاشرہ میں دیکھنے کو ملتی ہے وہ شاید ہی دنیا کے کسی دوسرے معاشرہ میں پائی جاتی ہو۔

○○○

رضوان کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ رضوان کی اشاعت خالص تبلیغی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی تجارتی کاروباری مفاد اس اشاعت میں پیش نظر نہیں ہے۔ چنانچہ ۳۰ صفحات کے اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (نی شمارہ صرف بیس روپے اور سالانہ خریداری-2001 روپے) ہے۔ ہمارے پیش نظر نفع بخش کاروبار نہیں بلکہ ہم اپنے وسائل میں رہتے ہوئے رضوان کے ذریعے پیش بہا مضامین شائع کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رضوان کے سالانہ خریدار بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقم ”ادارہ رضوان“ کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ہوں گے۔

سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ مدت خریداری ختم ہونے پر زر سالانہ کی ترسیل میں جلدی فرمائیں۔ ہر ماہ سرخ نشان کے ذریعہ ان کو اطلاع دی جاتی ہے۔ اور مئی آڈر فارم بھی روانہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یاد دہانی ہو سکے۔

یاد رکھئے! زر سالانہ کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے اور پچھلے کچھ عرصے سے اس میں اضافہ ہی ہوا ہے لہذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ رضوان کی مدت خریداری ختم ہوتے ہی زر سالانہ کی ادائیگی کریں تاکہ ادارے پر مالی بوجھ نہ پڑے بصورت دیگر اگر آئندہ ”رضوان“ خریدنا نہیں چاہتے، تب بھی خط لکھ کر یا بذریعہ فون اس بارے میں دفتر رضوان کو مطلع فرمادیں۔ نیز اپنا خریداری نمبر یا جس نام سے رسالہ جاری ہے وہ پتہ صاف اور خوشخط ضرور لکھیں۔ آپ کا تعاون اس دینی سعی و کوشش میں ہمارے لئے نہایت اہم اور ”رضوان“ کے معیار میں اضافے کے ساتھ آپ کیلئے کار خیر کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

قارئین رضوان سے گزارش ہے وہ اپنا سالانہ چندہ مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں جمع کر سکتے ہیں۔

Bombay Mercantile Co-operative Bank, Lucknow-18

Name of Account "RIZWAN MONTHLY", Account No. : 205110100005299

IFSC Code : UTIBOSBM CBI

نوٹ: رقم ڈالنے کے بعد دفتر کو مطلع ضرور کریں ورنہ رقم آپ کے کھاتے میں منتقل نہ ہوگی۔ اس نمبر پر مطلع کریں Cantt. No. : 9415911511

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب!

جاہل اور وحشی قوم سب سے بڑی عالم و علم پرور اور متمدن ہوگئی۔ دنیا کی سب سے ضعیف و کمزور قوم سب سے قوی اور سب پر غالب ہوگئی۔ وہ قوم جس کو دنیا میں کبھی سیاسی عزت و جاہ و جلال نصیب نہیں ہوا تھا، اس نے دنیا کی شہنشاہی کا تاج اپنے سر پر رکھا، عرب و عجم، ترک و دہلم، ہندو سندھ جس نے بھی قرآن کو اپنے سینے سے لگایا اس نے فتح و ظفر کا پرچم ہاتھ میں لیا تخت شاہی اپنے دونوں پاؤں کے نیچے بچھایا اور حکومت کا تاج اپنے فرق شاہی پر رکھا، عربوں کی کیا بساط تھی، دہلم کو کون جانتا تھا، سلجوق سے کون واقف تھا، غوری و تغلق کس شمار میں تھے۔ کرد کس گنتی میں تھے، خوارزم شاہی اتا بکی اور مصر کے بحری ممالک اور ہندوستان کے ترکی غلاموں کی کیا حقیقت تھی، اور مٹی بھرا دارہ گرد ترک قبیلہ کا سردار عثمان خان جس کی اولاد نے یورپ، ایشیا اور افریقہ کے تین براعظمتوں پر چھ سو برس تک حکومت کی، اسلام سے پہلے کیا تھا، مگر جب انہوں نے اپنی عقیدت کا سر قرآن کے آگے جھکایا تو دنیا کے شہنشاہوں نے ان کے آگے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ عربوں کا تمدن کیا تھا، افریقہ کے وحشیوں کا مرتبہ کیا تھا، بربر کی بربریت کی داستاؤں سے کون آگاہ نہ تھا، ترک و تاتاری کی درندگی کے واقعات سے کس کے کان آشنا نہ تھے، مگر دیکھو کہ جب قرآن نے ان کے سر پر

انزلنا الیک روحاً من امرنا قرآن کیسی عظیم انقلابی قوت ہے اس کا اندازہ حضرات صحابہؓ میں آئے انقلاب سے لگایا جاسکتا ہے۔ نزول قرآن سے پہلے وہ کچھ نہ تھے، قرآن نے انہیں سب کچھ بنا دیا، اس حقیقت کو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بڑے ہی مؤثر پیرایہ میں ذکر کیا ہے۔ قرآن کا سب سے بڑا تاریخی معجزہ یہ ہے کہ 23 برس کی تعلیم میں ایک اُن پڑھ اور جاہل قوم کو عالم ترین اور متمدن ترین قوم بنا دیا جس کی عظمت نے دنیا کے قدیم کے دونوں باز قیصر و کسریٰ کو توڑ دیا۔ چالیس برس کی مدت میں جب خلافت راشدہ کا دور ختم ہوا تو ان کے ماننے والوں نے جو بحر ہند کے دہانے سے لے کر بحر اٹلانک کے ساحل تک پھیلے ہوئے تھے، دنیا کی کایا پلٹ دی۔ تاریکی کی جگہ نور، جہالت کے بدلہ علم، شرک و کفر کے بجائے خدا پرستی آئی۔ دنیا کی سب سے غریب اور مفلس قوم سب سے بڑی دولت مند اور سب سے نادان و

عالمی سطح پر مسلمانوں کی کمزوری کا سبب کیا ہے؟ جواب سہل ہے۔ جب کوئی قوم اپنی قوت کے سرچشمہ سے دور جا پڑتی ہے تو انحلال کا شکار ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کی قوت کا حقیقی سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید وہ پاور ہاؤس ہے جس سے ساری امت میں توانائی بنتی ہے۔ کتاب و سنت کو ”فکلین“ (دو بھاری چیزیں) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورہ مزمل میں نزول قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا: ”اننا سنلقى علیک قولاً ثقیلاً“ آیت میں قرآن کو ”قول ثقیل“ فرمایا گیا۔ قرآن وہ عظیم طاقت ہے کہ اگر اسے پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ پاش پاش ہو جاتے۔ ”لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لראیتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ۔“ قرآن مجید میں قرآن مجید کے لئے روح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، گویا امت مسلمہ کے مردہ جسم میں روح اور جان قرآن سے آتی ہے۔ ”و کذلک

سایہ ڈالا تو الہی کے ہاتھوں سے عظیم الشان سلطنتوں کی بنیادیں پڑیں، بڑے بڑے متمدن شہر آباد ہوئے، علوم و فنون کی درسگاہیں کھلیں اور تمدن و تہذیب کے نقش و نگار اور آثار نمودار ہونے لگے، پچھلے علوم نے رونق تازہ پائی، فلسفہ و عقل کی جلوہ آرائی ہوئی، علم و فن سے ترقی کے بیسیوں نئے علوم اختراع ہوئے، اور ان کی بری و بحری تجارتوں نے دنیا کی منڈیوں پر قبضہ کر لیا۔ (تیسر حیات: 46/ شماره: 23)

علامہ سید سلیمان ندویؒ قرآن کی انقلابی قوت کا جائزہ لینے کے بعد مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”مسلمانو! ربانی قوت کا یہ سرمایہ ”قرآن“ اب بھی تمہارے پاس ہے اور اللہ کے اس خزانہ رحمت کی کنجی اب بھی تمہارے ہاتھ میں ہے، ہمت کرو، اور اس کے حکموں کو مانو اور عمل کرو، بھر دیکھو کہ کہاں سے کہاں پہنچتے ہو۔“

ماضی قریب کے اکابر علماء امت کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ مسلمانوں کو انحطاط دراصل قرآن مجید سے دوری کا نتیجہ ہے، چنانچہ ان حضرات نے اپنی تحریروں اور خطابات میں قرآن سے چٹھے رہنے اور اس کی تعلیمات پر سختی سے عمل کرنی پر خوب زور دیا۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ جنہیں اسیر مالٹا سے جانا جاتا ہے، چار سالہ قید کے بعد دارالحکومت

دیوبند آئے تو بعد نماز عشاء علماء کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظ و معنا عام کیا جائے، بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ (وحدت امت۔ از مفتی محمد شفیع: 39)

دارالعلوم دیوبند کی ایک اور شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے 1948ء میں دہلی میں ایک پُر اثر خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ”میرے بزرگواں آج ہم جن پریشانیوں سے گزر رہے ہیں، اس کا سبب کتاب الہی کو چھوڑنا ہے۔ اسلام پر پوری طرح عمل کرنے سے گریز کرنا ہے۔ ہم آسمانی نصرت سے محروم ہو گئے ہیں۔ میرے بھائیو! ہر مسجد کو قرآن کریم کے ترجمے و درس کے ذریعہ تبلیغ دین کا مرکز بناؤ۔“ (ماہنامہ

ترجمان دارالعلوم، فروری 2001ء)

برکتہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کی فضائل اعمال کتاب کے اس اقتباس پر غور فرمائیے۔ حضرت لکھتے ہیں: ”کلام پاک چونکہ اصل دین ہے، اس کی بقاء و اشاعت ہی پر دین کا مدار ہے۔ اس لئے اس کے سیکھنے اور سکھانے کا افضل ہونا ظاہر ہے کسی توضیح کا محتاج نہیں۔ البتہ اس کی انواع مختلف ہیں، کمال اس کا یہ ہے کہ مطالب و مقاصد سمیت سیکھے اور ادنیٰ درجہ اس کا یہ ہے کہ لفظ الفاظ سیکھے۔ (ص: 8) آگے حضرت لکھتے ہیں: ”حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگ قرآن شریف اللہ کا فرمان سمجھتے تھے، رات بھر اس میں غور و فکر کرتے تھے اور دن کو اس پر عمل کرتے تھے، اور تم لوگ اس کے حروف اور زبیر و زبر کو تو بہت درست کرتے ہو مگر اس کو فرمان شاہی نہیں سمجھتے، اس میں غور و تدبر نہیں کرتے۔ (ص: 2)

مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن کی تمہید میں لکھتے ہیں: ”انسان کی سب سے بڑی بد نصیبی اس سے اعراض اور اسے چھوڑنا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو اس کی فکر فرض عین اور ضروری ہے کہ قرآن کریم کو صحت لفظی کے ساتھ پڑھے اور اولاد کو پڑھانے کی کوشش کرے، اور پھر جس قدر ممکن ہو اس کے معانی اور احکام کو سمجھے اور ان پر عمل کرنے کی فکر میں لگا رہے اور اسی کو

اپنی عمر کا وظیفہ بنائے اور اپنے حوصلے اور ہمت کے مطابق اس کا جو حصہ بھی نصیب ہو جائے اس کو اس جہاں کی سب سے بڑی حکمت سمجھے۔“ (معارف القرآن: 1/59) بھلا غور فرمائیے کہ ان سارے اساطین علم نے قرآن سے حقیقی وابستگی پر یوں ہی زور نہیں دیا، وہ جانتے تھے کہ قرن اولیٰ کے مسلمانوں نے بھی اسی کتاب کے سہارے کامیابی کی منزلیں طے کی تھیں۔ قرآن ان کی زندگی میں رچ بس گیا تھا۔ خواص تو خواص عوام بھی قرآنی فہم کا وافر حصہ رکھتے تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک مرتبہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: لوگو! اچھی طرح سن لو! نکاح کے وقت عورتوں کا مہر زیادہ بڑھا چڑھا کر مت طے کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جتنی رقم بطور مہر رکھی جاتی تھی اگر کسی نے اس سے زیادہ رکھی تو میں زائد رقم اس سے لے کر بیت المال میں دے دوں گا۔ خطبہ کے بعد ایک خاتون نے حضرت عمرؓ کو روک لیا اور بڑی جرأت کے ساتھ کہنے لگی، امیر المؤمنین! آپ کی بات مانی جائے گی یا کتاب اللہ کی! حضرت عمرؓ نے فوراً کہا: یقیناً کتاب اللہ کی بات مانی جائے گی۔ لیکن آخر ہوا کیا؟ خاتون نے کہا: ابھی آپ نے اعلان کیا کہ مہر زیادہ مت طے کرو، جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: **وَآتِيَتْ**

احداهن قنطارا فلا تاخذوا منه شيئاً یعنی اگر تم نے ڈھیر سارا مہر بھی دیا تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمرؓ فوراً منبر پر گئے اور کہا میں نے زیادہ مہر طے کرنے سے منع کیا تھا، لیکن سنو! اپنے مال میں سے جتنا چاہو مہر دے سکتے ہو۔ ایک عام خاتون کی قرآنی ذوق کا یہ عالم تھا۔ آج ہماری صورت حال یہ ہے کہ امت کا ایک بڑا طبقہ قرآن پاک کی صحیح تلاوت تک سے محروم ہے۔ حضرات صحابہ کا حال یہ تھا کہ سورہ بقرہ سیکھنے پر کسی نے دس سال صرف کئے تو کسی نے بارہ سال اور جب کسی سورہ کی تعلیم مکمل ہو جاتی تو خوشی میں اونٹ ذبح کرتے تھے۔ ان حضرات کے پاس ترجیح کا معیار قرآن سے متعلق تھا۔ خلیفہ وقت کی شوریٰ کے لئے وہ لوگ زیادہ اہل سمجھے جاتے تھے جو زیادہ قرآن کا علم رکھتے تھے۔ جہاد کے لئے جانے والی فوجوں کا امیر اس کو بنایا جاتا تھا جو سب سے زیادہ قرآن سے واقف ہوتا تھا۔ عہد صحابہ میں ہر طرف قرآن کی حکمرانی تھی، دل کی دنیا ہو کہ باہر کی دنیا جادہ دیکھنے قرآنی اثرات صاف جھلکتے تھے۔ صحابہ کو وہی گفتگو قیمتی محسوس ہوتی تھی جو قرآن سے مملو ہو اور جو گفتگو قرآن سے ہٹ کر ہوتی اس کو وہ وقت کا ضیاع خیال کرتے۔ مشہور تابعی حضرت عطاء بن رباحؓ کہتے ہیں کہ تم

سے پہلے جو لوگ تھے (یعنی صحابہ) ہر بات کو فضول سمجھتے تھے سوائے اللہ کی کتاب کے۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے، اور ان باتوں کے جو زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔ حضرات صحابہ کی مجلسیں ذکر قرآن سے مزین ہوتیں، ان کی تنہائیاں تلاوت قرآن سے آراستہ ہوتیں، وہ نماز پڑھتے تو قرآن میں ڈوب جاتے، بسا اوقات ایک ایک آیت کو رات بھر دہراتے۔ حضرات صحابہ کو قرآن سے کس قدر شیشنگی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے: غزوہ ذات الرقاع میں عباد بن بشر اور عمار بن یاسر دونوں کی باری باری پہرہ دینے کی ڈیوٹی تھی کہ رات کے وقت کوئی دشمن مسلمانوں کے لشکر پر حملہ نہ کرے، حضرت عباد نے حضرت عمار سے کہا کہ وہ رات کے پہلے حصہ میں سو جائیں، میں پہرہ دوں گا۔ جب حضرت عباد نے پہرہ دیتے ہوئے دیکھا کہ خطرہ کی کوئی بات نہیں تو انہوں نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ اتنے میں ایک مشرک آیا اور اس نے تیر مارا۔ حضرت عباد نے نماز کے دوران ہی تیر کھینچ کر نکال دیا اور نماز میں مصروف رہے حتیٰ کہ نماز مکمل کر لی پھر نماز شروع کر دی۔ مشرک نے دوسرا تیر مارا، حضرت عباد نماز میں قرآن مجید تلاوت کر رہے تھے، انہوں نے کھینچ کر تیر نکال دیا اور اپنی نماز مکمل کی۔ ایک بار پھر نماز شروع

کردی۔ مشرک نے تیسرا تیر مارا تو انہوں نے تیر نکالا اور اپنی تلاوت ختم کی اور حضرت عمار کو جگایا۔ حضرت عمار نے کہا آپ نے مجھے پہلی تیر لگنے پر ہی جگا دیا ہوتا۔ فرمایا: میں نماز میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا، اس لئے میں نے سورہ مکمل کئے بغیر نماز ختم کرنا مناسب نہ جانا، مگر جب دشمن نے بار بار تیر اندازی کی تو میں نے نماز ختم کر کے آپ کو جگا دیا۔ قسم بخدا اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جس جگہ پہرہ دینے کے لئے متعین فرمایا ہے اسے خطرہ لاحق ہے تو میں سورہ پڑھتا ہی رہتا۔ یا یہ سورہ مکمل ہو جاتی یا اسی میں میری جان چلی جاتی۔

(سیرت ابن ہشام)

علم طب کی معروف داعیہ ڈاکٹر سیدہ رمضان اپنی کتاب میں انسانی زندگی میں قرآن کی کسی تبدیلی لاتا ہے؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں: قرآن اپنے پڑھنے والوں میں بنیادی تبدیلی پیدا کرتا ہے، ان کی عقل کی تشکیل نو کرتا ہے۔ ان کے قلوب میں نئی روح پھونک دیتا ہے۔ ان کے نفس کی ایسی تربیت کرتا ہے کہ قرآن کا مطالعہ کرنے والے اللہ کی صفات کے عالم، اخلاص و بصیرت سے اس کی عبادت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کی پابندی کرنے والے ہو جاتے ہیں، انسانوں میں قرآن کریم

کے ذریعہ ہونے والی یہ تبدیلی صرف اسی صورت میں ہوتی ہے جب اس کا تدبر سے مطالعہ کیا جائے اور ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کیا جائے۔“ (قرآن پر عمل: 27)

ایسی انقلابی کتاب آخر موجودہ دور کے مسلمانوں میں کیوں تبدیلی نہیں لارہی ہے؟ سیدہ رمضان لکھتی ہیں: ہمارے پاس بھی وہی قرآن ہے جو صحابہ کے پاس تھا، قرآن نے صحابہ کو ایک منفرد انسانی گروہ میں بدل دیا تھا، کیا قرآن اب اس طرح کی تبدیلی لانے سے قاصر ہے؟ کیا قرآن کی کارکردگی ختم ہو گئی ہے؟ ایسا ہرگز نہیں تو پھر بات کیا ہے؟ قرآن مجید تو ایک دائمی معجزہ ہے۔ یقیناً نقص ہمارے اندر ہے، کوتاہی ہماری ہے، قرآن ہر گھر میں موجود ہے، ریڈیو اسٹیشن اور ٹی وی سنٹر مختلف مسلم ممالک میں اپنے چینل سے رات دن قرآن کریم نشر کر رہے ہیں، پوری امت اسلامیہ میں اس وقت لاکھوں قرآن مجید کے حفاظ موجود ہیں۔ اتنے حفاظ تو عہد نبویؐ اور عہد خلفاء راشدین میں بھی نہ تھے۔ اس سب کے باوجود اس قدر اہتمام کے ہوتے ہوئے بھی قرآن کریم کے ذریعہ مطلوبہ تبدیلی عمل میں نہیں آرہی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ واضح بات ہے کہ ہم ان شرطوں کو پورا نہیں کر رہے ہیں جو قرآن کے معجزانہ اثرات کے ظہور کے لئے ضروری ہیں۔ اور جن کی تکمیل سے قرآن تبدیلی کا عمل سر

انجام دیتا ہے۔ قرآن کے ساتھ ہمارے ظاہری شکل تک محدود طرز عمل نے ہمیں قرآن کے حقیقی منافع پانے سے روک دیا ہے۔ کتاب زندہ کے ساتھ اس عجیب و غریب رویہ کا نتیجہ ہمارے لئے نہایت مہلک ہے۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز کہ وہ نفوس میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، ہماری بے عملی اور کاہلی کی وجہ سے ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔ قول و فعل میں تضاد بڑھ چکا ہے۔ ہماری دلچسپیاں بدل چکی ہیں، دنیا سے تعلق اور اس کی محبت میں اضافہ ہوا ہے۔ (حوالہ سابق) شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کے ایک مختصر واقعہ پر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے کہ جسے علامہ کے معاصر فقیر سید وحید الدین نے اپنی کتاب ”روزگار فقیر“ میں نقل کیا ہے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ علامہ سے ملنے ان کے گھر آئے، دوران گفتگو انہوں نے سوال کیا، آپ نے مذہب، اقتصادیات، سیاسیات، تاریخ اور فلسفہ وغیرہ علوم پر جو کتابیں اب تک پڑھی ہیں، ان میں سب سے زیادہ بلند پایہ اور حکیمانہ کتاب آپ کی نظر سے کونسی گزری ہے؟ سوال سنتے ہی علامہ کرسی سے اٹھے اور گھر کے اندر چلے گئے، دو تین منٹ کے بعد واپس آئے، ساتھ میں ایک کتاب بھی لائے، وہ کتاب سائل کے ہاتھوں میں دیتے ہوئے فرمایا: یہ کتاب۔ وہ تھی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید۔

○○○

قضائے حاجت کا اسلامی طریقہ

حکمتیں اور مصلحتیں

میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں یا یہ کہ ہم کسی چوپائے کے گوبر اور لید یا ہڈی سے استنجا کریں۔ (مسلم، رقم الحدیث: 262، کتاب الطہارۃ)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی قابل استہزا بات نہیں ہے: بلکہ یہ اس مذہب کی جامعیت کی دلیل ہے اور بلاشبہ وہ خاص وقت ایسا ہوتا ہے کہ اُس وقت اللہ کا نام لینا اور اُس سے دعا کرنا بے ادبی کی بات ہوگی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ جب کوئی بندہ قضائے حاجت کو جائے تو مشغول ہونے سے پہلے مذکورہ دعا پڑھے۔

بیت الخلاء کی دعا کی حکمت اور پیغام 1- جنات ہم کو دیکھتے ہیں، اگرچہ ہم اُن کو نہیں دیکھتے اور جب شرارت کا کوئی موقع آتا ہے تو اس کو شیاطین ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، اُن کی شرارت سے بچنے کے لئے یہ دعا تلقین کی گئی، ایک حدیث (ترمذی، رقم: 606) میں ہے کہ جب انسان بسم اللہ پڑھ کر بیت الخلاء میں جاتا ہے تو شیاطین کو انسان کی شرم گاہ نظر نہیں آتی، اس لئے ان کے لئے کھلوا کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس لئے بہتر ہے کہ قضائے حاجت کے لئے جانے والا یوں دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبۡثِ وَالْخَبَاۡثِثِ.

ضرورت پڑتی ہے، اس ضرورت کو کیسے پورا کیا جائے، اسلام میں اس کی مکمل راہ نمائی موجود ہے۔ ابوداؤد نے اپنی حدیث کی کتاب سنن ابی داؤد میں تقریباً پچیس ابواب منعقد فرمائے ہیں اور ان سب میں آداب خلاء یعنی پیشاب و پاخانہ کے طور پر طریقہ بیان کئے ہیں، ہماری شریعت کتنی جامع اور مکمل شریعت ہے کہ اس میں استنجا جیسی معمولی چیز کے لئے اس قدر آداب ہیں اور اسی لئے اسلام کو دین فطرت بھی کہتے ہیں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (بعض مشرکین کی طرف سے استہزا اور طعنے کے طور پر) اُن سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبر نے تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں، یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی؟ حضرت سلمان فارسی نے اُن سے کہا: ہاں! بے شک انہوں نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ پاخانہ و پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجا کریں یا یہ کہ ہم استنجا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء جانے کا ارادہ فرماتے تھے تو (یہ دعا) پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبۡثِ وَالْخَبَاۡثِثِ.

(ایک روایت میں بسم اللہ کا تذکرہ ہے، اس لئے مذکورہ دعا کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا چاہئے)

ALLAHUMMA,
INNEE, AOOZU BIKA,
MINAL KHUBUSI
WALKHABA,ES

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثیوں سے۔ (مسلم، رقم: 375، ترمذی، رقم: 606)

تشریح: قضائے حاجت انسان کی فطری ضرورت ہے، بیدار ہونے کے بعد عام طور سے انسان کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے بیت الخلاء جانے کی

(تحفۃ الاعمی: 1/201- الاذکار: 25/1، شاملہ)

2- جس طرح کھیاں اور دوسرے غلاظت پسند کیڑے کوڑے غلاظت پر گرتے ہیں اسی طرح خبیث شیاطین اور بعض دوسری موذی مخلوقات غلاظت کے مقامات سے خاص دلچسپی اور مناسبت رکھتے ہیں: اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات میں جانے کے وقت کے لئے یہ دعا فرمائی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بھی تھا کہ بیت الخلاء جانے کے وقت دعا کرتے۔ (معارف الحدیث: 5/132)

3- روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیاطین جسمانی طور پر بھی انسان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور روحانی طور پر بھی، جسمانی نقصان یہ پہنچا سکتے ہیں کہ تمہیں ظاہری گندگی میں ملوث کر دیں اور اس کے نتیجے میں تمہارے کپڑے اور جسم ناپاک ہو جائیں اور بعض اوقات جسمانی بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں، چنانچہ تاریخ میں بعض ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ شیاطین نے ان گندے مقامات پر باقاعدہ کسی انسان پر حملہ کیا اور بالآخر اس کو موت کے منہ میں پہنچا دیا، بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بیماری کے جراثیم شیاطین ہی کا ایک حصہ ہوتے ہیں، لہذا ان مقامات پر انسان کی صحت کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

روحانی نقصان یہ ہے کہ ان مقامات

پر انسان کی شرمگاہ اور ستر کھلی ہوتی ہے، اس وقت شیطان انسان کے دل میں فاسد خیالات پیدا کرتا ہے غلط قسم کے خیالات، خواہشات اور غلط قسم کی آرزوئیں پیدا کرتا ہے، جس کی وجہ سے انسان کے سفلی جذبات، سفلی خواہشات زیادہ زور دکھاتے ہیں، اگر اللہ کی پناہ شامل حال نہ ہو تو انسان ان مقامات پر گناہوں کا بھی ارتکاب کر لیتا ہے۔ (اسلام اور ہماری زندگی: 10/95)

6- بیت الخلاء جانا ہماری مجبوری ہے، اللہ تعالیٰ اس موقع پر بھی ہماری آزمائش فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کو یاد رکھتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں۔

لمحۃ فکریہ

اس ترقی یافتہ دور میں مکانات اور بلڈنگیں نہایت عمدہ، خوبصورت بن رہی ہیں، مکانات کی زینت، نقاشی، رنگ و روغن پر کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں، بیت الخلاءوں اور ٹوائلٹس کو بھی صاف ستھرا اور عمدہ بنایا جا رہا ہے، اسلام اس سے منع نہیں کرتا، لیکن تعمیر و ترقی کے اس دور میں مسلمانوں کی زندگیوں سے مذکورہ دعا غائب ہو گئی، نوجوانوں اور عورتوں کا بہت بڑا طبقہ اس دعا سے غافل ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تمام مسلمان اس دعا

کا اہتمام کریں اور دعا پڑھتے وقت اس کی حکمت اور پیغام کو ذہنوں میں متحضر رکھیں، زندگی سکون سے گزرنے گی، کیونکہ اصل سکون و اطمینان اللہ کے ذکر اور رسول اللہ

4- ایک کامل مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس کی زبان ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہے، لیکن نجاست اور گندگی کی جگہ میں ذکر کرنا بے ادبی اور بے احترامی کی بات ہوگی، معلوم ہوا کہ بیت الخلاء میں جا کر ذکر اللہ میں انقطاع پیدا ہوگا، اس لئے اس موقع پر دعا پڑھنے کی تعلیم دی گئی، تاکہ مسلمان کا رابطہ اللہ رب العزت سے جڑا رہے، اب ظاہر ہے کہ انسان اگر اس حالت میں بھی اللہ کے ساتھ رابطہ قائم رکھے تو یقیناً وہ وہاں پر گناہوں سے محفوظ رہے گا اور اگر اس طرح پوری زندگی میں اس کا خیال رکھے گا تو اس کی زندگی سنت و شریعت کے عین مطابق ہوگی، اس کی دنیا و آخرت سنور جائے گی۔ (مرقاۃ المفاتیح: 1/375 شاملہ)

5- ذکر اللہ، شیاطین سے بچنے کا ذریعہ ہے، جس قلب میں اللہ کا ذکر سا جائے گا وہاں پر شیاطین کا تصرف زیادہ نہیں ہوگا، ترمذی شریف کی ایک روایت

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی میں مضمر ہے، اگر دعا یاد نہیں تو بیت الخلاؤں کے دروازوں پر لکھ کر چپکادیں، تاکہ بیت الخلا جاتے وقت دعا یاد آجائے، ایک گناہم اقتباس پڑھئے۔

آج کی دنیا میں جس کو دیکھو مسائل کا شکار ہے جانی، سماجی یا معاشی پریشانی کا شکار ہے، سکون نام کی چیز ہماری زندگی سے نہ جانے کہاں گئی، وجہ کیا ہے کہ ہم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں، اتنے مصائب میں گھرے ہوئے ہیں، ذرا سا غور کریں تو وجہ بالکل سامنے ہی ہے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں زندگی گزارنے کا ایک ڈھنگ دیا ہے، ایک طریقہ دیا ہے، ہم اگر زندگی کے ہر قدم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اہتمام کریں تو بڑی بڑی پریشانیوں سے بچ سکتے ہیں۔ انسان کی 90 فیصد روحانی اور 50 فیصد جسمانی بیماریوں کا تعلق صرف بیت الخلا یعنی واش روم سے ہے، ایک چھوٹی سی دعا کو چھوڑا اور کتنی بیماریوں نے ہمارا گھر دیکھ لیا، جراثیم، جرم تیموری وغیرہ یہ سب شیطان کی ہی نظام ہیں، ہر گندی جگہ زیادہ جراثیم ہوتے ہیں، جنات اور شیاطین وہاں رہتے ہیں، اب چاہے اس بیت الخلا کو آپ جتنا سجاو یہ ظاہری نظام ہی ہے، اس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی دعا کو پڑھ کر جانے میں ہی عافیت

ہے، بیت الخلا جانا ہماری مجبوری ہے، مگر اللہ جل شانہ اس موقع پر بھی ہماری ذمہ داری لیتے ہیں۔

اعوذ بک کا مطلب ہے پناہ میں آتا ہوں، یعنی اللہ کے سپرد اپنے آپ کو کرتا ہوں، اب جب بندہ اللہ کے سپرد اپنے آپ کو کر دے تو اللہ پاک سے بڑا محافظ بھلا کون ہے؟ ہم نے بیت الخلا کو ٹائلوں سے مزین کر لیا اور پہلو میں سجایا اور بے فکر ہو گئے، یہاں کچھ لوگوں نے تو مغرب کی اندھی تقلید میں بیت الخلا کو آرام گاہ بنا ڈالا، جتنے نفسیاتی امراض کے مریض مغربی ممالک میں ہیں اور کہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو اس دعا کو حسب موقع پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین

بیت الخلا سے باہر نکلنے کی دعاء حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا (ترمذی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلا سے نکلنے وقت ”غفرانک“ پڑھتے تھے اور ابن ماجہ وغیرہ کی روایتوں میں **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّيْ الْاَذَى وَ عَافَانِيْ** کے الفاظ آئے ہیں، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دعا پڑھتے تھے اور کبھی دوسری، محمد شین لکھتے ہیں

کہ دونوں کو جمع کر لینا بہتر ہے، اسی لئے دعاؤں کی اردو کتابوں میں یہ دعا ایک ساتھ لکھی ہوئی ہے، یعنی **غُفْرَانَكَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّيْ الْاَذَى وَ عَافَانِيْ** پڑھتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّيْ الْاَذَى وَ عَافَانِيْ (ابن ماجہ، رقم: 301)

G H U F R A N A K A ,
ALHAMDULILLAHILLAZEE,
AZHABA ANNIL AZAA
WA AA'FAANEE

ترجمہ: حمد شکر اُس اللہ کے لئے جس نے میرے اندر سے گندگی اور تکلیف والی چیز دور فرمادی اور مجھے عافیت و راحت دی۔

تشریح: انسان جب فراغت کے بعد بیت الخلا سے باہر نکلنے کا ارادہ کرے تو اُس وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری دعا تلقین فرمائی اور دوسرا ادب بتایا ہے کہ جب باہر نکلنے لگو تو پہلے دایاں پاؤں باہر نکالو اور مذکورہ دعا پڑھو۔ اس موقع پر دعا پڑھنے کی تلقین درحقیقت یہ بتانا ہے کہ انسان کے لئے ہمیشہ اپنے رب اور خالق و مالک کو یاد رکھنا نہ صرف ضروری ہے، بلکہ اس کی تخلیق کا مقصد بھی ہے، آخر انسان، بالخصوص مسلمانوں میں اور جانوروں، بالخصوص غیر مسلموں میں کچھ تو ماہہ الاتیاز ہونا چاہئے، مذکورہ موقع پر دعا اسلام کی

جامعیت اور اس کے سراپا مہذب مذہب ہونے کی واضح دلیل ہے، کیا کوئی اور مذہب بھی ہے جس میں ایسی جامع تعلیمات و تہذیب کی تلقین ہو۔

مذکورہ دعا کی حکمت اور پیغام

1- دعا کا آغاز غفرانک سے ہو رہا ہے، جس کا مطلب ہے اے پروردگار عالم! میں آپ سے مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں، فطری طور سے یہ سوال پیدا ہوگا کہ اس موقع بظاہر کسی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا ہے، پھر کس چیز سے مغفرت مانگتا ہوں؟ علماء و فقہاء نے اس کے مختلف جوابات لکھے ہیں، آپ بھی پڑھیں، ایمان میں اضافہ ہوگا۔

1- اس موقع پر دو باتوں سے

مغفرت مانگی گئی ہے: ایک اس بات سے کہ اس وقت میں جس حالت میں تھا، ہو سکتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلط عمل سرزد ہو گیا ہو، اُس سے مغفرت مانگتا ہوں،

دوسری بات یہ کہ اے اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھ پر جتنے انعامات فرمائے ہیں، میں اُن انعامات پر شکر کا حق ادا نہیں کر پایا: اب ایک نعمت اور مجھے حاصل ہو گئی ہے۔ کیونکہ جسم سے نجاست کا نکل جانا یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا انعام ہے کہ

انسان کی زندگی کا دار و مدار اس پر ہے، اب اس وقت اے اللہ! آپ نے جو یہ نعمت عطا فرمائی ہے، میں اس نعمت کے

شکر کا حق ادا نہیں کر سکتا، اس پر میں آپ سے پہلے ہی مغفرت مانگتا ہوں۔ (اسلام اور ہماری زندگی: 10/96)

2- حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ذکر فرماتے رہتے تھے، لیکن بیت الخلاء میں ذکر لسانی کا سلسلہ منقطع رہتا تھا، اس انقطاع ذکر لسانی پر آپ نے استغفار فرمایا (ہم ہر وقت ذکر الہی میں مشغول نہیں رہتے، یہ ہماری کوتاہی شمار ہوگی۔ گویا اس دعا میں ایک پیغام یہ بھی ہے کہ ہمیں ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہنا چاہئے اور بیت الخلاء میں انقطاع ذکر لسانی پر معافی مانگنی چاہئے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی کامیابی و کامرانی اور اسلامی زندگی کی فلاح و بہبود کی کنجی ہے۔)

3- ایک جواب حضرت گنگوہی (م 1323ھ) نے یہ دیا ہے کہ قضائے حاجت کے وقت انسان اپنی نجاستوں کا مشاہدہ کرتا ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اُن ظاہری نجاستوں کو دیکھ کر انسان کو اپنی باطنی نجاستوں (نجاست قلبیہ یعنی گناہ) کا استحضار کرنا چاہئے اور ظاہر ہے کہ یہ استحضار، استغفار کا موجب ہوگا، اس لئے ”غفرانک“ کہنے کی تعلیم دی گئی۔

(درس ترمذی: 1/180)

4- قضائے حاجت سے فروغ کا وقت نعمتِ غذا کی تکمیل کا وقت ہے، اول اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی نعمت عطا

فرمائی، پھر اُس کو سہولت کے ساتھ حلق سے نیچے اتارا، ورنہ بعض مرتبہ پھندہ بھی لگ جاتا ہے، پھر اس کے بعد معدہ کا اس غذا کو قبول کرنا اور اُس کا ہضم ہونا اور ہضم ہونے کے بعد کارآمد اجزاء کا جزو بدن بننا اور سب سے اخیر میں فضلہ کا عافیت کے ساتھ جسم کے اندر سے باہر آ جانا جو آخری مرحلہ ہے، غرضیکہ یہ نعمتِ غذا کی تکمیل کا وقت ہے، جس کا حق اور شکر ہم سے ادا نہیں ہو سکتا، اس تقصیر (کوتاہی) پر آپ نے امت کو استغفار کی تعلیم فرمائی (بندہ اپنے آپ کو عاجز اور لاچار سمجھ کر خدا تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑائے، یہ اعتراف تقصیر کہلاتا ہے اور اعتراف تقصیر، اللہ کے نزدیک شکر کی حقیقت ہے، اعتراف مجزومن الشکر، شکر کہلاتا ہے)۔ (الدرالمفصود: 1/130،

مرقاۃ المفاتیح: 1/387)

5- اللہ کی نعمتیں بندے پر ہر وقت برستی ہیں، ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہے، ایک لمحہ بھی غافل نہ ہو اور قضائے حاجت انسان کی مجبوری ہے وہ اس وقت میں ذکر نہیں کر سکتا اس کوتاہی پر۔ اگرچہ وہ بدرجہ مجبوری ہے۔ غفرانک کے ذریعہ معافی مانگی گئی ہے، بندہ عرض کرتا ہے، خدایا! جو غفلت میری طرف سے پائی گئی اس کوتاہی کا میں معترف ہوں اور بخشش طلب کرتا ہوں، مجھے معاف فرما۔ (تحفۃ الاعمی: 1/204)

6- چونکہ یہ وقت اور ہیئت و حالت شیطان کے تَلْکُب، معیت اور تَلْؤُث کی ہے، لہذا اس کے مقابلہ میں طلب مغفرت کو ضروری قرار دیا گیا۔

7- طلب مغفرت کے لئے پہلے گناہ کا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ جس طرح نیکی کی نورانیت قلب پر اثر کرتی ہے اس طرح گناہ کے میل اور کدورت بھی قلب پر اثر کرتی ہے، طلب مغفرت سے غرض یہ ہے کہ جو کدورت اور میل گناہ کی وجہ سے قلب پر جم گئی ہے اس کا ازالہ کیا جائے۔ لہذا قضائے حاجت کی وجہ سے ذکر سے محرومی کا جرم غیر اختیاری ہونے کے سبب یقیناً معاف ہے، لیکن اس کی وجہ سے روحانی ترقی میں جو کمزوری، سستی اور پیچھے رہ جانا ہوا ہے، طلب مغفرت سے اس کا ازالہ مقصود ہے۔ (حقائق السنن: 1/142)

8- انبیاء کے علاوہ کوئی فرد یا جماعت گناہوں سے محفوظ نہیں ہے، موجودہ دور بددینی، دین سے دوری اور اسلامی تہذیب و اخلاق سے عاری ہے، اس دور میں تو گناہوں کی کثرت ہے، برکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے بعد مذکورہ مغفرت کے ذریعہ اپنی امت کو یہ تعلیم دی کہ تمہارا نبی گناہوں سے پاک صاف ہے، اس کے اگلے اور پچھلے سارے گناہوں کی بخشش کا اعلان ہو چکا ہے، تب بھی وہ مغفرت الہی کا طالب

ہے تو تمہیں طلب مغفرت کی کتنی ضرورت ہونی چاہئے، تم تو گناہوں کے پتکے ہو، تمہارا نبی ایک ایسی جگہ مغفرت کا طالب ہے جہاں کسی طرح کا کوئی گناہ نہیں ہوا ہے اور جہاں قضائے حاجت کے لئے جانا ایک فطری مجبوری ہے، لہذا تمہیں تو یہ عمل نبوی اپنی زندگی میں لا کر یہ عہد کرنا چاہئے کہ ہم پوری زندگی گناہوں سے دور رہیں گے اور اگر کبھی گناہ ہو گیا تو فوراً مغفرت کی درخواست کریں گے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات اور مختلف اعمال کے اخیر میں استغفار پڑھا کرتے تھے، تاکہ جہاں ایک طرف اپنی کوتاہی اور عاجزی کا اعتراف ہو سکے، جو شکر کا لازمی حصہ ہے، وہیں دوسری طرف امت بھی طلب مغفرت کی عادی ہو جائے اور یہی چیز انسان کی ترقی درجات کا سبب ہے، اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

دوسری دعا کی حکمت اور پیغام

1- مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

پیشاب یا پاخانہ خداخواستہ رک جائے اور فطری طریقہ سے خارج نہ ہو تو اللہ کی پناہ! کیسی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے خارج کرنے کے لئے اپہتالوں میں کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں، اگر بندہ اس کا دھیان کرے تو محسوس کرے گا کہ فطری

طریقے سے پیشاب یا پاخانہ کا خارج ہونا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت اور کتنا عظیم احسان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی احساس اور دھیان کے تحت اس موقع پر اس کلمہ کے ذریعہ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ الْاَذٰی وَ عَافَانِیْ۔ سبحان اللہ! کیسی بر محل اور کتنی عارفانہ دعا ہے۔

(معارف الحدیث: 5/133)

2- مفتی تقی عثمانی زید مجدد کے

افادات میں ہے:

اگر اس دعا میں غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اس مختصر سی دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی کی عظیم کائنات بیان فرمادی ہے، اس کے علاوہ ایک دوسری دعا بھی منقول ہے، جس میں اس سے زیادہ وضاحت ہے، آپ پڑھتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ اَذَاہِ۔

(کنز العمال، رقم: 17877)

یعنی اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اس کھانے کی لذت عطا فرمائی اور اس کھانے میں جو قوت والے اجزاء تھے اور جو میرے جسم کو طاقت بخش سکتے تھے وہ اجزاء میرے جسم میں باقی رہے اور جو اجزاء تکلیف دہ اور گندے تھے وہ میرے جسم سے دور کر دیے۔ آپ غور کریں کہ انسان دن رات یہ کام کرتا رہتا ہے، لیکن اس کے

نعمت ہونے کی طرف دھیان نہیں جاتا، ہم جب کھانا کھاتے ہیں تو ہمارے پیش نظر صرف زبان کا ذائقہ اور لذت ہوتی ہے، کھاتے وقت اس طرف دھیان نہیں ہوتا کہ یہ کھانا ہمارے اندر جا کر کیا فساد مچائے گا، کھائی جانے والی مختلف اشیاء کے مختلف اثرات ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہارے جسم میں ایک مشین بنائی ہے، جو اس غذا کے ہر حصہ کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتی ہے، یہ خود کار مشین قوت والے اجزاء کو محفوظ رکھتی ہے اور بے فائدہ اجزاء کو پیشاب و پاخانہ کے ذریعہ خارج کر دیتی ہے، اس لئے جب تم قضاے حاجت سے فارغ ہو تو اس پر شکر ادا کر لو کہ آپ نے مجھ سے یہ گندگی دور فرمادی اور مجھے عافیت عطا فرمادی۔ (اختصار: اسلام اور ہماری زندگی: 99/10)

3- انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر انسان کے لئے ایک سم کے انقباض اور گرائی کا باعث ہوتا ہے، اگر وہ بروقت خارج نہ ہو تو اس سے طرح طرح کی تکلیفیں اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور اگر طبعی تقاضے کے مطابق پوری طرح خارج ہو جائے تو آدمی ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراح محسوس کرتا ہے اور اس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے، اس لئے قضاے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کی تعریف کرنے کا حکم ہے۔ (سنن)

ابن ماجہ اردو: 1/134)

4- ذرا سوچئے! اگر پیشاب اور پاخانہ کے ساتھ انتڑیاں اور دیگر مخفی تو تیں اور طاقتیں بھی خارج ہو جائیں تو اللہ کے بغیر اس درد و کرب سے کون محفوظ رکھ سکتا ہے؟ اب جب کہ قضاے حاجت کے وقت اللہ نے ان چیزوں سے ہماری حفاظت فرمائی، پس اُس ذات کا شکر یہ ادا کرنا ضروری ہے، مذکورہ دعا کے ذریعہ اسی حق شکر کی ادائیگی کا حکم ہے۔

5- شریعت نے ”حمد و شکر“ کا ایک جامع نظام بنایا ہے، بندوں پر اللہ کی نعمتیں ہر آن برستی رہتی ہیں، سانس لینا اور چھوڑنا مستقل نعمتوں کا حصہ ہیں، ان نعمتوں کے بدلے میں اللہ کی تعریف اور اس کا شکر یہ ادا کرنا بندگی اور عبدیت کا تقاضا ہے، گندگی کا دور ہونا اور عافیت نصیب ہونا بھی ایک نعمت ہے، پس اس موقع پر اللہ کی تعریف کرنا ضروری ہے، اس موقع پر مذکورہ جملہ کے ذریعہ اللہ کی تعریف کرنا اسی نظام حمد و شکر کا ایک حصہ ہے، گویا غفرانک کے ذریعہ پہلے ادائے شکر میں کوتاہی پر معافی مانگی گئی اور دوسری دعا میں اسی شکر کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی اور دونوں جملوں کا مشترکہ پیغام یہ ہے کہ انسان پوری زندگی اللہ کی تعریف اور گناہوں اور کوتاہیوں پر شرمندگی کے اظہار میں گزارے۔

بید دعائیں دھیان سے پڑھنی چاہئیں

اگر ہر مسلمان روزانہ بیت الخلاء جاتے وقت اور نکلنے وقت دھیان کے ساتھ دعائیں پڑھنے کا معمول بنالے تو کیا اس کے نتیجے میں اللہ جل شانہ کی عظمت اور رحمت پیدا نہیں ہوگی؟ کیا اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی خشیت پیدا نہیں ہوگی کہ جو مالک بے نیاز میرے جسم میں اتنی قیمتی مشینیں لگا کر میرے لئے یہ کام کر رہا ہے، کیا میں اس کے حکم کی نافرمانی کروں؟ کیا میں اس کی مرضی کے خلاف زندگی گزار دوں؟ اگر انسان یہ تصور کرنے لگے تو پھر کبھی گناہ کے پاس بھی نہ پھلے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت الخلاء سے نکلنے وقت یہ دعا پڑھ لو، یہ کوئی مترنہ نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے ایک پورا فلسفہ ہے اور معافی کی پوری کائنات ہے، جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائی ہے، لہذا ان دعاؤں کو پڑھنے کی عادت ڈالیے اور اس تصور کے ساتھ پڑھئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نعمت ہم کو عطا فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (اسلام اور ہماری زندگی: 99/10)

❖ ❖ ❖

یہود نے منع بھی کیا کہ تم بیمار ہو، میدان جنگ میں نہ جاؤ مگر وہ باز نہ آیا، میدان قتال میں پہنچا اور لڑتے ہوئے مارا گیا۔

زینب کے خاوند کے علاوہ اس کا باپ حارث اور چچا یسار بھی میدان جنگ میں قتل ہو جاتے ہیں۔ یہ یہود کے نمایاں اور بہادر لوگوں میں سے تھے۔ زینب کا باپ، چچا اور خاوند جب خیبر میں قتل ہو گئے تو یہ عورت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ لینے کی ضمان لیتی ہے۔

اس کو معلوم تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ قبول نہیں کرتے مگر ہدیہ قبول کر لیتے ہیں۔ اس نے کہیں سے معلوم کر لیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بکر کا کونسا حصہ زیادہ مرغوب ہے۔ اسے بتایا گیا کہ آپ کو ”دستی“ کا گوشت زیادہ پسند ہے، چنانچہ اس نے اپنے گھر کی ایک بکری کو ذبح کیا۔ بطور خاص ”دستی“ میں خوب زہر ملا دیا۔ باقی بکری کو بھی اس نے زہر آلود کر دیا۔ اس نے زہر کے لئے یہود سے مشورہ کیا تھا کہ کونسا زیادہ سرج الاثر ہوتا ہے، چنانچہ ان کے مشورے کی روشنی میں اس نے زہر آلود بکری کو بھونا۔ جب سورج غروب ہو گیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز ادا کی اور اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ اس وقت زینب وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ نے پوچھا: ”بی بی! کیا چاہتی ہو؟“ کہنے لگی: ”ابوالقاسم میں آپ



تیل ڈالے گا۔ چنانچہ جیسے ہی اسے موقع ملا وہ دو سو سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔

رات کی تاریکی میں اس نے یہودی قبیلہ بنو نضیر کے مشہور سردار جیمی ابن اخطب کے دروازے پر دستک دی لیکن اس نے دروازہ نہ کھولا، پھر وہ بنو نضیر ہی کے سردار سلام بن مشکم کے گھر پہنچا جس نے نہ صرف ابوسفیان کا پر جوش استقبال کیا بلکہ پر تکلف دعوت کی، شراب بھی پلائی اور اہل مدینہ کے مخفی راز بھی بتائے۔

سلام بن مشکم اور اس کی بیوی زینب بنت حارث نے غزوہ خندق میں بھی یہودیوں کو درغلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ غزوہ خیبر میں زینب کا خاوند سلام بن مشکم شدید بیمار تھا۔ وہ قلعہ الطاء میں بستر پر تھا۔ بیماری کی وجہ سے وہ اٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس کے باوجود اسلام کی عداوت اسے میدان جنگ میں لے آئی۔ ہر چند کہ اسے

وہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینا چاہتی تھی

خیبر فتح ہو چکا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابھی خیبر ہی میں مقیم تھے کہ یہود نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہودیوں کے ایک بڑے عالم سلام بن مشکم کا تعلق بن نضیر سے تھا۔ یہ شخص بہت بڑا تاجر، اپنے قبیلے کا سردار اور تجارتی خزانہ کا محافظ تھا۔ اس کی بیوی زینب بنت حارث اور یہ دونوں ہی اسلام کے شدید دشمن تھے۔ ان دونوں کا کردار جاننے کے لئے ہمیں تھوڑا سا پیچھے جانا ہوگا۔ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قریش کو شکست فاش ہوئی تو ابوسفیان کو اہل مکہ کی قیادت سونپی گئی۔ اس کا سب سے پہلا کام غزوہ بدر کا انتقام لینا تھا۔ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ غزوہ بدر کا انتقام نہ لے گا تب تک غسل جنابت نہ کرے گا نہ سر میں

کے لئے ہدیہ لے کر آئی ہوں۔“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول کر لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا اور اس سے ہدیہ وصول کر لیا گیا۔ زہر آلود بکری کو آپ کے سامنے رکھا گیا۔ آپ نے وہاں موجود صحابہ سے فرمایا کہ ”قریب ہو جاؤ، رات کا کھانا کھاتے ہیں۔“ کھانا شروع ہوا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دتی کے گوشت کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور اس میں سے کچھ کھالیا۔ آپ کے ساتھ سیدنا بشر بن براہ بھی کھانے میں شریک تھے۔ انہوں نے لقمہ اٹھا کر کھالیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ منہ میں تھا اسے فوراً اگل دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔ یہ دتی مجھے بتا رہی ہے کہ وہ زہر آلود ہے۔“

یہ جرم کوئی معمولی جرم نہیں تھا۔ اس کے لئے پورے کنبے قبیلے کو گرفتار نہیں کیا گیا۔ صرف اس کی ذمہ دار خاتون زینب کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ کہنے لگی: میں آپ کو قتل کرنا چاہتی تھی، اس لئے کہ خیبر کی جنگ میں میرا باپ، چچا اور خاندان آپ لوگوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مجھ پر طاقت دینے والا نہیں“ اس عورت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ”تم نے ایسا کیوں کیا؟“ کہنے لگی کہ

میں نے ایسا اس لئے کیا کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو آپ کو پتا چل جائے گا کہ اس گوشت میں زہر ہے اور اگر آپ نبی کاذب ہیں تو لوگ آپ سے نجات پا جائیں گے۔ قارئین کرام! یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ کو ملاحظہ کریں کہ چونکہ آپ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا اس لئے آپ نے کوئی تعرض نہ فرمایا۔ آپ نے اسے کچھ نہیں کہا، نہ مزاد دی بلکہ اسے معاف کر دیا، چونکہ زہر کا معمولی حصہ جسم میں سرایت کر چکا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن کے پاس اور کمر پر سینگلی لگوائی اور دوسرے متاثرین کو بھی سینگلی لگوانے کا حکم دیا۔

ساری روایات کا مطالعہ کرنے کے بعد جو خلاصہ نکلتا ہے، اس کے مطابق بکری کا گوشت کھانے میں تین یا چار صحابہ شریک ہوئے۔ ان میں سے صرف بشر بن براہ نے ہی لقمہ کھایا تھا، اس لئے ان کی تھوڑی دیر بعد ہی وفات ہو گئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ روک لیا تھا۔ وہ زہر انتہائی مہلک تھا۔ اللہ کے رسول بھی رفیق اعلیٰ کے پاس جانے تک اس زہر کی تکلیف محسوس فرماتے رہے۔ امام بخاری اپنی صحیح میں روایت لائے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں فرما رہے تھے: ”عائشہ! میں نے جو کھانا خیبر میں کھایا تھا، اس کی تکلیف برابر محسوس کرتا رہا ہوں۔ اس وقت

بھی مجھے ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے اس زہر کی وجہ سے میری شاہ رگ کٹ رہی ہو۔“

جہاں تک زینب بنت حارث کا تعلق ہے تو روایات کے مطابق اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کر دیا تھا، مگر جب بشر بن براہ اس زہر کے اثر سے وفات پا گئے تو اس عورت کو بشر کے درناؤ کے حوالے کر دیا گیا جنہوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔ (صحیح البخاری، حدیث 3169، 5777، صحیح مسلم، حدیث 2190، سنن ابی داؤد۔ 45144508، والسیرة النبویة للصائبی: 450/2، 452، والبدایة والنہایة: 432/4-435، والمغازی للواقدی: 467)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالی ہاتھ ہو کر بھی بے خوف و خطر ہیں

یہ واقعہ جو آپ پڑھنے جا رہے ہیں، اس کے راوی سیدنا جابر بن عبد اللہ انصاری ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں مدینہ طیبہ کے شمال مشرق میں چار سو صحابہ کے ہمراہ بنو غطفان کے علاقے کی طرف گئے ہوئے تھے۔ اس سفر میں چھ صحابہ ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس غزوہ کا نام ذات الرقاع تھا۔ بنو غطفان کا عربوں پر بزار عرب رہا کرتا تھا۔ مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان پر

حملے کے لئے تشریف لے گئے کیونکہ انہوں نے احزاب کے موقع پر مدینہ طیبہ کا محاصرہ کیا تھا اور غزوہ خیبر میں یہود کی مدد کی تھی۔

اب وہ مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے 6 ہجری میں غزوہ خیبر کے فوراً بعد ان کے خلاف پیش قدمی فرمائی۔

بنو غطفان پر اللہ نے اپنے رسول کا رعب طاری کر دیا اور غطفان کے ذیلی قبائل بنو مخارب اور بنو ثعلبہ مسلمانوں کی آمد کا سن کر تتر بتر ہو گئے۔ لشکر اسلام جنگی اہداف حاصل کرنے کے بعد جب واپس مدینہ

طیبہ جا رہا تھا تو صحابہ کرام بڑے اطمینان سے محو سفر تھے کہ ایک جگہ لشکر بڑاؤ کرتا ہے۔ مجاہدین وادی میں ادھر ادھر پھیل کر درختوں کے نیچے لیٹ گئے اور جلد ہی اکثر لوگ نیند کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک درخت کی نیچے بڑاؤ ڈالا اور اپنی تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا کر آرام فرمانے لگے۔ انہی قبائل میں سے ایک دیہاتی شخص نے اپنی قوم سے کہا: تم اطمینان رکھو، میں

خفیہ طریقے سے اسلامی لشکر میں داخل ہوتا ہوں اور مسلمانوں کے نبی کو (معاذ اللہ) قتل کر کے واپس آتا ہوں۔

وہ اپنے ناپاک غرواہم کی تکمیل کے لئے نکلا۔ مسلمانوں کو علم نہ تھا کہ کوئی شخص بری نیت سے ان کی طرف آ رہا ہے۔ غورث

بن حارث نامی یہ مشرک مسلمانوں اور خصوصاً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں تھا کہ کب اسے موقع ملے اور وہ اپنا ہدف حاصل کر لے۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے تو یہ مشرک اعرابی آہستہ آہستہ اس درخت کی طرف بڑھا جس کے

نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے۔ اس نے آ کر سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی ہوئی تلوار پر قبضہ کیا۔ اسے

میان سے باہر نکالا، نضا میں لہرایا۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے قریب تلوار اٹھا کر بلند آواز میں پکارتا ہے:

”اے محمد! کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے، قریب تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے بنو غطفان میں ایک بلند مقام حاصل کر لیتا مگر اسے معلوم نہ تھا کہ اس کا

واسطہ کسی عام شخص سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے آخری رسول سے ہے، جن کی حفاظت کا وعدہ خود رب العالمین نے کر رکھا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذرا بھی نہیں

گھبرائے اور نہ ہی آپ کے دل میں کوئی خوف پیدا ہوا۔ آپ نے پورے اعتماد اور اطمینان کے ساتھ فرمایا: ”بالکل بھی نہیں۔“

اعرابی حیران و پریشان ہے کہ تلوار تو اس کے ہاتھ میں ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو خالی ہاتھ ہیں ان کے پاس اپنے دفاع کے لئے کچھ بھی نہیں، مگر پھر بھی وہ بے خوف و خطر کھڑے ہیں۔ اعرابی نے کہا:

”آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟“ اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے قریب تان لی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کامل یقین کے ساتھ فرمایا: (اللہ) ”مجھے تم سے اللہ بچائے گا۔“

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے جب اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ادا ہوا تو اس کا فر پر خوف و رعب طاری ہو گیا، اس کے جسم پر کچھ بھی طاری ہو گئی۔

قارئین کرام! اس سے پہلے کہ ہم آگے پڑھیں، آپ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم صفت یاد کروانا چاہوں گا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا: (لھرت بالربعب) ”مجھے

ربعب کے ساتھ مدد دی گئی ہے۔“ ذہن آپ کو دیکھتا تو اس پر رعب طاری ہو جاتا۔

”اس مشرک کے ہاتھ سے تلوار گر پڑتی ہے۔“ اور اب اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ میں تھام لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کو اس کی طرف بڑھایا اور پوچھا: ”یہ بتاؤ کہ

اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟“ (صحیح البخاری، حدیث: 438، صحیح مسلم، حدیث: 521)

مشرک کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ وہ نہ تو یہ کہہ سکتا تھا: اللہ، اور نہ ہی وہ اپنے جھوٹے معبودوں کا نام لے سکا، وہ کانپ رہا تھا، (بقیہ..... صفحہ..... ۳۹..... پر)

اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق

وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ
وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ
السَّبِيلِ لَا وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ).

(النساء: 36)

اے لوگو! تم اللہ ہی کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں، باپ، رشتہ دار، یتیم، مسکین، قریبی پڑوسی، اجنبی پڑوسی اور پاس کے رفیق مسافر اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطر بیڑہن سے نکلے ہوئے ارشادات و فرامین سے محدثین و فقہاء نے چمنستان شریعت ترتیب دیا ہے، ان میں سے پھولوں کا وہ گل دستہ پیش کیا جاتا ہے جو پڑوسی اور ہمسایہ کے حقوق سے متعلق ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام پڑوسی کے بارے میں ہمیں برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے یہ خدشہ ہونے لگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کو وارث بنا دیں گے۔ (بخاری، حدیث نمبر 953)

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنے ہمسایہ کا اکرام کرے۔ (ابن ماجہ، حدیث نمبر 7677)

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آپ صلی

اشاعت اسلام کا بھی ایک بہترین اور مضبوط اسٹیج ثابت ہوگا۔

پڑوسی صرف وہ نہیں ہے جس کا گھر ہمارے گھر سے متصل اور ملا ہوا ہو، بلکہ اس کے ساتھ پڑوسی کے مفہوم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جن کا گھر ہمارے گلی کوچہ میں ہو اور ہمارے گھر سے قریب ہو، نیز وہ شخص بھی ہمارا پڑوسی اور ہمسایہ ہے جو تھوڑی دیر کے لئے ہمارا ہم نشین اور مصاحب ہو گیا ہے، مثلاً بس، ٹرین اور ہوائی جہاز میں چند گھنٹوں کے لئے جو ہمارے ساتھ ہے وہ بھی ہمارا پڑوسی ہے اور اس کے ساتھ ایسے اور عمدہ اخلاق سے پیش آنا ہمارا شرعی و دینی فریضہ ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، یہودی اور دوسرے کو چار جب اور تیسرے کو صاحب بالجہب کہتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا
بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کے جو باہمی حقوق متعین کیے ہیں ان میں سے ایک پڑوسی اور ہمسایہ کا بھی حق ہے، پڑوس اور ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے ساتھ اچھے اور نرم اخلاق سے پیش آنے کی قرآن و سنت میں بہت سی جگہوں پر تاکید کی گئی ہے اور ان سے کسی قسم کا بغض رکھنے اور ان کو ایذا و تکلیف پہنچانے کو منافی ایمان قرار دیا گیا ہے، اور چاند سورج کی طرح یہ ایک سدا بہار حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور رنج و غم میں ان کا ساتھ دینے کی جو ترغیب و تحریض شریعت مطہرہ نے دی ہے اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے سے نہ صرف محدود اور جزوقتی فائدہ ہوگا، بلکہ اس پر وسیع اور عالمگیر مثبت اثرات مرتب ہوں گے، ہمسایہ کے حقوق ادا کرنے سے ایک طرف معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ اور باہمی الفت و محبت کی تصویر ہوگا تو دوسری طرف یہ دعوت دین اور

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہے، صحابہ کرام نے پوچھا: کون اے اللہ کے رسول؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص جس کی اذیتوں سے اس کا پڑوسی مامون نہ رہتا ہو۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پڑوسی کی شکایت لے کر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا سامان لے کر راستہ پر آ جاؤ، راوی کہتے ہیں کہ لوگ راستے سے گزرتے اور پورا واقعہ سن کر پڑوسی کو تکلیف پہنچانے والے شخص پر لعنت کرتے، شدہ شدہ یہ خبر اس شخص تک پہنچی، وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! مجھ سے کیا جرم سرزد ہوا ہے کہ لوگ مجھ پر لعنت بھیجتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں کے لعنت بھیجنے سے پہلے اللہ نے تجھ پر لعنت کی ہے، اس شخص نے پڑوسی کو تکلیف نہ دینے کا وعدہ کیا، پھر وہ شخص آیا جو پڑوسی کے ظلم سے دوچار تھا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا سامان راستے سے ہٹا لو، اب تم مامون و محفوظ ہو۔ (کنز العمال، حدیث نمبر: 2551)

مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جو اپنے پڑوسی سے لڑا وہ مجھ سے لڑا، اور جو مجھ سے لڑا وہ اللہ سے لڑا۔ (کنز العمال، حدیث نمبر 9675)

ایک روایت میں ہے: ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! فلاں عورت بہت زیادہ نمازیں پڑھتی ہے اور روزے رکھتی ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ اپنے پڑوسی کو اپنی زبان سے تکلیف بھی پہنچاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت جہنمی ہے۔ پھر اس نے ایک دوسری عورت کا ذکر کیا کہ فلاں عورت نہ زیادہ روزے رکھتی ہے، نہ زیادہ نمازیں پڑھتی ہے، لیکن وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں پہنچاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت جنتی ہے۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 9675)

چونکہ احادیث شریفہ میں متعدد مقامات پر پڑوسی اور ہمسایہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے ساتھ اچھائی سے پیش آنے کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے، اسی لئے علمائے کرام نے پڑوسی اور ہمسایہ کے حقوق تفصیل سے ذکر کئے ہیں، اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

پڑوسی کی خبر گیری کرنا

پڑوسی اور ہمسایہ کا ایک حق یہ ہے کہ اس کی خبر گیری کی جائے، اس کے خورد و نوش کا خیال رکھا جائے، جب اچھا کھانا

بنائے تو اس کے گھر بھیجا جائے، چنانچہ روایتوں میں آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، وہ شخص مومن نہیں ہے جو شکم سیر ہو کر کھانا ہو اور اس کا ہمسایہ بھوکا رات گزارتا ہو۔ (تبلیغی، حدیث نمبر 1960)

بلکہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی اور ہمسایہ کے گھر کھانا بھیجنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص گوشت پکائے تو اس میں شوربہ زیادہ کر دے اور کچھ پڑوسیوں کے یہاں بھجوادے۔ (الادب المفرد، حدیث نمبر: 40) عورتوں کے اندر چونکہ نکتہ چینی اور عیب جوئی کا مرض پایا جاتا ہے، اسی لئے دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی بھی تاکید کی کہ اگر پڑوسی اور ہمسایہ کی طرف سے کوئی ہدیہ آئے، خواہ وہ کم قیمت اور معمولی ہی کیوں نہ ہو، اس کو حقیر اور کمتر نہ سمجھا جائے اور اس میں کسی قسم کا عیب نہ نکالا جائے، بلکہ ہمسایہ کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کی عزت افزائی کی جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اے مسلمان عورتو! کوئی عورت کسی پڑوسی کے ہدیہ کو ہرگز حقیر نہ سمجھے، اگرچہ وہ بھری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری، حدیث نمبر 6017)

پڑوسی کی خیر خواہی کرنا

ہمسایہ کا ایک یہ بھی حق ہے کہ دکھ اور

پریشانی میں اس کا ساتھ دیا جائے، بیمار ہو تو اس کی عیادت کی جائے، ہمسایہ کا اگر کوئی عزیز یا رشتہ دار فوت ہو جائے تو اس کی تعزیت کی جائے اور اس کو تسلی دی جائے، اگر وہ قرض مانگے تو قرضہ دیا جائے، قرض کی ادائیگی کے لئے مہلت مانگے تو مہلت دی جائے، اگر اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت دی ہے تو قرض کی رقم معاف کر دی جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگر پڑوسی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرو، انتقال ہو جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ، قرض مانگے تو قرض دو..... کوئی مصیبت پہنچے تو اس کو تسلی دو اور اپنی عبارت اتنی بلند نہ کرو کہ وہ اس کے لئے ہوا کو روک دے۔ (مجمع الزوائد، حدیث نمبر 13545)

پڑوسی کے عیوب کی پردہ پوشی

ہمسایہ اور پڑوسی سے چونکہ اختلاف اور میل جول زیادہ ہوتا ہے اور مکان قریب ہونے کی وجہ سے اس کے اخلاق و عادات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے، اس لئے بسا اوقات انسان اپنے پڑوسی کے عیوب و نقائص سے واقف ہو جاتا ہے اور اس کی اخلاقی کمزوریاں اس کے علم میں آ جاتی ہیں، ایسے وقت اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے عیوب و نقائص پر پردہ ڈالا جائے اور دوسروں کے سامنے اس کو بیان کرنے سے

گریز کیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تین مصیبتیں کمر کو توڑنے والی ہیں: ایک ایسا بادشاہ جو رعایا کا شکر یہ ادا نہ کرے اور ان سے غلطی ہو جائے تو معاف نہ کرے، دوسرا وہ پڑوسی کہ اگر تمہارے اندر کوئی بھلائی دیکھے تو اس کو دفن کر دے، برائی دیکھے تو لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرے، تیسرے وہ بیوی جو شوہر کے مال کی حفاظت نہ کرے۔ (طبرانی، حدیث نمبر: 824)

پڑوسی کی تعلیم

پڑوسی اگر دین کے بنیادی احکام سے نا آشنا ہے تو اس کو دین کی بنیادی باتیں بتانا اور ان کی حتی الوسع صحیح تربیت کرنا بھی پڑوسی کا حق ہے، ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو جو اپنے پڑوسیوں کو تعلیم نہیں دیتے ہیں، اور دین نہیں سکھاتے ہیں۔

(معارف الحدیث: 6/313)

پڑوسی کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا پڑوسی اور ہمسایہ کے ساتھ اختلاف اور میل جول کے مواقع زیادہ آتے ہیں، شب و روز میں کئی بار ایک دوسرے کا سامنا ہوتا ہے، اس لئے اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ ہمارے کسی قول و فعل سے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچے، ہمارا کوئی رویہ اور حرکت اس کی دل آزاری کا باعث نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص اللہ اور یوم

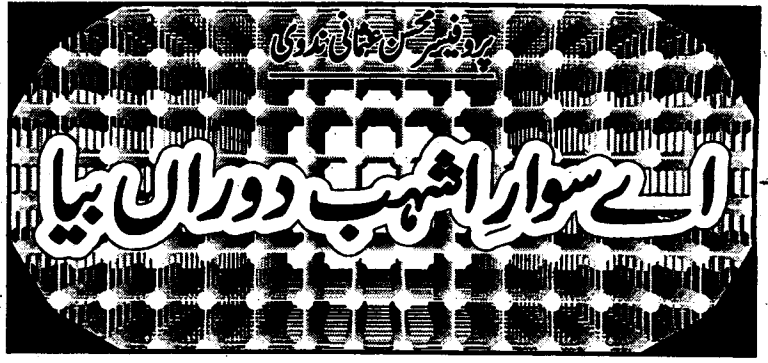
آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسی کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے۔

پڑوس کے بچوں کے ساتھ شفقت و ہمدردی

بچہ گلستان انسانیت کا گلگفتہ پھول ہوتے ہیں، ان کی کھلکھلاتی ہوئی ہنسی دلوں کو فرحت و تازگی بخشتی ہے، ان کے نرم و گداز جسم اور شرارتی چہرے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عجیب قسم کی کشش اور مقناطیسیت رکھی ہے، اس لئے پڑوس کے بچوں کے ساتھ شفقت و ہمدردی رکھنا اور ان کی معصومانہ شرارتوں کو درگزر کرنا بھی پڑوسی کا حق ہے، پڑوس کے بچے اگر گھر میں آئیں تو ان سے اچھائی سے پیش آنا اور گھر میں جو کھانے پینے کی چیز ہو اس کو تمہارا دینا باہمی محبت والفت کا ذریعہ ہے۔

پڑوسیوں کے جو حقوق درج بالا سطور میں ذکر کئے گئے ہیں ان حقوق کو اگر ہر مسلمان ادا کرنے کی فکر کرے، اور اپنی عملی زندگی میں ان چیزوں کو برتے تو ان شاء اللہ نہ صرف ایک صالح، خوشگوار اور مثالی معاشرہ وجود میں آئے گا، بلکہ اس سے برادران وطن کو بھی اسلام اور مسلمانوں کے حوالہ سے ایک اچھا اور مثبت پیغام جائے گا اور عجب نہیں کہ وہ متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات و ہدایات کا مطالعہ کریں اور اس کے محاسن و خوبیوں کا اعتراف کر کے دامن اسلام میں پناہ لینے پر مجبور ہوں۔

مودودی کے مقابلہ میں مولانا علی میاں کا قلم محتاط بہت ہے، ان کی سیکڑوں اردو عربی تصنیفات میں ایک جملہ بھی کہیں ایسا نہیں ملتا جو علماء کے لئے وجہ اعتراض ہو، خاص طور پر تاریخ میں اختلافات کے خازن سے ان کا قلم اس طرح گذرتا ہے جیسے کوئی پہل صراط پر سے کامیاب گذرے مولانا علی میاں کا یہ کمال دیکھنا ہو تو اسے الرضیٰ پڑھنی چاہئے جو مشاجرات صحابہ کا عہد ہے اور جس میں صحابہ کے اختلافات کا بیان ہے یا حیات عبداللہی پڑھنی چاہئے جس میں شبلی اور مولانا عبداللہی کے اختلافات پر پورا باب موجود ہے اور مولانا عبداللہی مولانا علی میاں کے والد ہیں یہاں مولانا علی میاں کے قلم کی خصوصیت آشکار ہوتی ہے۔ اس وقت عالم عربی میں عرب بہاریہ کے زیر عنوان جو انقلابات آئے ان کے پس پردہ مولانا مودودی اور مولانا علی میاں کے فکر کے بھی سائے ہیں اور شیخ علامہ یوسف القرضادی نے تو یہاں کہہ دیا ہے کہ جہاں جہاں الریح العربی کے تحت جو انقلاب آیا اس کے پس پردہ مولانا علی میاں کی مفکرانہ کتاب ”مازاحم العالم بانحطاط المسلمین“ اور اس طرح کی کچھ اور کتابوں کا ہاتھ ہے۔ ہر جگہ اسلامی ذہن و فکر کے لوگ تھے جنہوں نے عرب ملکوں میں اپوزیشن کا رول ادا کیا تھا اور وہ آگے آگے تھے۔ یہ بہت بڑی حقیقت ہے جسے لوگ کم جانتے ہیں۔ مغربی



تھا، اگرچہ کہ دور کا تھا یعنی بشار علوی شیعہ تھا اور علویوں کو ایرانی گمراہ سمجھتے ہیں تاہم وہ شیعہ تھا اس لئے اہلسنت اور اخوان کے مقابلہ میں وہ زیادہ قابل قبول تھا۔ ایران کے اس غلط پالیسی کی وجہ سے عالم اسلام کا ایران پر اعتماد باقی نہیں رہا۔ ایرانی لابی کے ہندوستانی صحافی بھی افسوسناک حد تک ایران کے ہم سفر اور ہم مغیر رہے اور اس چیز نے اہل تشیع اور اہلسنت کے درمیان وہ خلیج پیدا کر دی ہے جسے پائنا آسان نہیں ہے۔

برصغیر میں فکر اسلامی کے آسمان پر مولانا مودودی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی دو روشن ستاروں کے نام ہیں ان دونوں کے درمیان فکری مماثلتیں ہیں، دونوں عالم اسلام کی دینی تحریک الاخوان المسلمون کے مداح اور قدر شناس ہیں، دونوں اسلام کو ایک مکمل نظام حیات سمجھنے والے ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ مولانا مودودی شریعت کی ظاہری شکل اور نظام پر زیادہ فوکس ڈالتے ہیں اور مولانا علی میاں ایمانی اور داخلی کیفیات پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ مولانا

عصر حاضر میں جن شخصیتوں نے اپنی علمی دینی اور فکری خدمات کا گہرا نقش عالم اسلام پر قائم کیا ہے ان میں علامہ اقبال، مصر کے حسن البناء، پاکستان کے مولانا مودودی، ہندوستان کے مولانا ابوالحسن علی ندوی، تونس کے راشد الغنوشی، ایران کے امام خمینی کے نام لئے جاتے ہیں۔ موخر الذکر نے ایران میں جو انقلاب برپا کیا تھا جو اگرچہ ایک بے دین مغرب زدہ استبدادی حکومت کے خلاف بہتر اسلامی انقلاب تھا لیکن اس پر شیعیت کی مسلکی چھاپ ناقابل قبول ہونے کی حد تک گہری تھی۔ اس حقیقت کے لئے یہ ثبوت کافی ہے کہ جب عصر میں اخوان نے انقلاب برپا کیا تو ایرانیوں نے اسے اسلامی انقلاب قرار دیا اور اس کی پذیرائی کی اور جب یہی اخوانی شام میں انقلاب بردوش بن کر بشار کے مقابلہ میں آئے تو ایران کی ساری حمایت داسے در سے قدمے سخنے فوج اور ہتھیار کے ساتھ بشار الاسد کے ساتھ ہو گئی کیونکہ بشار سے شیعیت کا رشتہ

طاقتیں ابتداء میں جمہوریت کی دستک سے خوش بہت ہوئیں اور انہوں نے اسے بہار کی آمد قرار دیا انہیں یقین تھا کہ اب آمرانہ اور استبدادی نظام جس کے عرب عادی ہو گئے تھے ختم ہوگا، لیکن جب جمہوریت سے اسلام برآمد ہوا تو ان کی خوشیاں کافور ہو گئیں، وہ غم سے ٹڈھال ہو گئے انہوں نے محسوس کیا کہ اگر مصر اور شام دونوں جگہ اخوانی برسرِ اقتدار آ گئے تو اسرائیل کے وجود کے لئے سنگین خطرہ بن جائیں گے۔ اسلامی جمہوریت کے خلاف سازش ہوئی اور اس سازش میں ان تمام مملکتوں کو شریک کر لیا گیا جنہیں اسلام کے جمہوری سیاسی نظام سے زیادہ قیصر و کسریٰ کا شہنشاہی نظام زیادہ عزیز تھا۔

عرب دنیا میں آج سیاسی سطح پر وہی اسلامیت اور غیر اسلامیت کی کشمکش ہے جو خلافت راشدہ کے بعد شروع ہوئی تھی۔ خلافت راشدہ کے بعد حکومت کی گاڑی اسلام کی پٹری سے اتر گئی تھی۔ اس کو ٹھیک کرنے کی جو کوششیں ہوئیں وہ کامیاب نہ ہو سکیں اور مسلمانوں کا خون بہہ گیا تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد نظام حکومت میں فرق ضرور آ گیا تھا، حکومت کا اسلامی شورائی جمہوری معیار باقی نہیں رہا، لیکن شریعت کے قانون نافذ تھے اور فتوحات کا دائرہ بڑھتا جا رہا تھا اس مسلسل پھیلتے ہوئے عالم اسلام کے لئے قانون اور علوم اسلامیہ

کی تدوین کی فوری ضرورت تھی۔ علماء حکومت کے اصلاح سے مایوس ہو کر اس ضروری کام میں مشغول ہو گئے اور پھر وہ علمی دینی ترقیاں سامنے آئیں جو آج تک سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگرچہ زیر زمین حکومت کے نظام کو درست کرنے اور بدلنے کی کوششیں بھی جاری تھیں اور اہل علم اہل دین اور فقہاء کی ہمدردی بھی انہیں حاصل تھی تاہم یہ کوششیں کامیاب نہیں ہو سکیں۔

صدیاں گزر گئیں آخر میں ان مغربی طاقتوں کا آفتاب اقبال طلوع ہوا جن کے دلوں میں صلیبی جنگوں کا زخم ہر اتھا اور تمام عرب ملکوں کو جو ترکی کی خلافت سے آزاد ہو چکے تھے ان کے زیر نگیں آ گئے تھے اس وقت مسلمانوں میں ایسے علماء اور اہل قلم سامنے آئے جنہوں نے اسلامی نظام حیات کا انکار کیا جامع ازہر کے ایک مشہور عالم تھے جن کا نام شیخ عبدالرزاق تھا۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ”الاسلام ونظام الحکم“ جس میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ اسلام بھی مسیحیت کی طرح عبادات کا دین ہے نہ کہ مکمل نظام حیات۔ جامع ازہر نے جس کی حیثیت آج کے ”ہرما سٹرواٹس“ والے ازہر کی نہیں تھی ان کی سند ضبط کر لی اور جامع ازہر کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ کسی کی سند اور ڈگری منسوخ کر دی گئی ہو۔ اس برہم فکریہ پر ساز چھیڑنے والے اور بھی اہل قلم مصر اور شام میں پیدا ہوئے ان ملکوں

میں زمام اقتدار جن لوگوں کے ہاتھ میں تھی وہ بھی اسی فکر کے حامل تھے، مغرب کے پروردہ اور جدید تعلیم یافتہ۔ اب بہت سے عرب ملکوں میں اسلام دفاعی پوزیشن میں تھا اور مسجدوں میں محصور، بے طاقت اور مجبور۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے بہت سے اہل قلم سامنے آئے اور بہت سی تنظیمیں وجود میں آئیں۔ جن میں سب سے طاقتور اور وسیع تر تنظیم الاخوان المسلمون کی تھی جس کے بانی حسن البنا تھے۔ اس کے بعد شرار بولسہی سے چراغ مصطفوی کی کشمکش کی طویل داستان شروع ہوتی ہے جو ابھی تک جاری ہے۔ فلسطین کو آزاد کرانے کا عزم رکھنے والی واحد تنظیم کو بھی دہشت گرد قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ امریکہ کا اقبال ہے کہ جو وہ چاہتا ہے عرب ملک وہی کرتے ہیں اور جو وہ بولتا ہے وہی زبان بولتے ہیں امریکہ کو اپنی بالادستی کا زعم ہے صدر ٹرمپ کے دست راست اور ایڈویزور جنرل فلن اپنی کتاب The Field of Right میں اسلام کے لئے کیفر کا لفظ استعمال کر چکے ہیں۔ افسوس کہ چراغ مصطفوی کی لوکڑی کے لئے اسلام اور حرم کا نام لینے والے ملک بھی سامنے آ گئے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ حسن البنا اور دیگر اخوانی قائدین اور مولانا مودودی مولانا علی میاں، عائض القرنی اور بہت سے اسلامی

مفکرین کی تحریروں پر قدغن لگادی گئی ہے۔ شہروں کے مکتبوں سے ان کی کتابیں ہٹادی گئی ہیں، کیونکہ حکمرانوں کی مغرب سے متاثر قوت شامہ ان میں دہشت گردی کی بو محسوس کرتی ہے یا وہ اپنے مستقبل کے بارے میں اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جل جلالہ خود سلطان میں مبتلا ہیں اور سلطانی خاک کا پیوند ہونے والی ہے لیکن شیطان کے پھندے میں گرفتار اور فریب نفس کا شکار ہیں شیطان کا جال نہیں ہوتا تو ضروران کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا اور اس سے بھی زیادہ غمناک اور شرمناک بات یہ ہے کہ مسلم حکمرانوں کی جانب سے اس کٹلی ہوئی لامذہبیت کی حمایت اور مدد پر علماء دین کی، جو وارثین انبیاء کہلاتے ہیں، غیرت اور حمیت ذرا بھی نہیں جاگتی ہے ان کا ضمیر بیدار نہیں ہوتا ہے۔ ہندوستان ہی کے اخبارات اٹھا کر دیکھئے تو ختم بخاری اور ختم خواجگان اور میلاد النبی اور وعظ و تذکیر کے جلسے ہر طرف منعقد ہوتے نظر آئیں گے لیکن پورے پورے علاقے اور پورے پورے ملک میں ایسا کوئی ایک صاحب عزیمت عالم نظر نہیں آئے گا جو مسلم حکمرانوں کے منافقانہ رویہ اور ان عرب ملکوں کے بعض ضمیر فروش علماء اور مفتیوں کے بے ضمیری اور بے دانسی پر احتجاج کرے، صحافیوں کے قلم بھی بک چکے ہیں۔ امیر معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے

یزید کو ولی عہد بنایا تھا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے سخت احتجاج کیا تھا آج اگر کوئی حکمران اپنے بیٹے کو ولی عہد بناتا ہے تو اہل قلم صحافی گلدستہ تہنیت پیش کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں، لکھا جاتا ہے کہ ولی عہدی مبارک ہو، قلم سے بہاروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ پھول برسائیں، ستاروں کو یہ حکم کہ چراغاں کریں، ایسا نہیں ہے کہ علماء اور اہل قلم اور صحافیوں کا نقطہ نظر دوسرا ہے وہ گھر کی اور دوستوں کی خلوت کی نشستوں میں ان حکمرانوں کو برا کہیں گے اور ان کا مذاق اڑائیں گے لیکن سامنے آنے سے اور بیچ بات کہنے سے گریز کریں گے۔ اس دنیا کو قرآن میں متاع غرور کہا گیا ہے۔ یہ متاع غرور ان کی عزیز تر متاع بن گئی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بھی وہ اس کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ایک نفاق اور بزدلی اور بے ہمتی کا عالم ہے جو چھپایا ہوا ہے، ہر ایک کے ہاتھ میں کسکول گدائی ہے، ہر دست دست سوالی ہے اور الید السفلی ہے۔ اب نہ کوئی مفکر اسلام ہے نہ کوئی مجدد اسلام ہے نہ کوئی معارضہ مہم ہے نہ کوئی داروئے الم ہے۔ زمانہ کو انتظار اس شخصیت کا ہے جو حق فروش اور حق فراموش مسلم علماء اور قائدین اور اہل قلم کا مزاج بدل دے اور ان میں حق شناسی اور حق نیوشی اور حق گوئی کا کردار پیدا کر دے۔ اے سوار اشہب دوران بیا اے فردغ دیدہ امکاں بیا

بقیہ..... اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

کانپتے ہوئے کہنے لگا: کوئی بھی نہیں۔ تلوار تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ چاہیں تو مجھے قتل کر سکتے ہیں۔ ساتھ ہی کہنے لگا: آپ اگر مجھے قتل نہ کریں اور معاف کر دیں تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی آپ سے لڑائی نہ کروں گا۔ اور نہ ہی آپ کے خلاف لڑنے والی قوم کا کبھی ساتھ دوں گا۔“

قارئین کرام! اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق ملاحظہ کریں کہ آپ اس پر قابو پا چکے تھے، آپ اسے قتل کر سکتے تھے مگر آپ نے غنودہ گزر سے کام لیا اور فرمایا: ”اسلام قبول کرلو۔“ وہ کہنے لگا: ”میں تو اسلام قبول نہیں کر سکتا۔“ اس انکار کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا۔ اب وہ اپنی قوم میں جاتا ہے تو لوگوں سے کہتا ہے: ”میں تمہارے پاس سب سے بہترین شخصیت کے ہاں سے آیا ہوں۔“

بعض سیرت نگار جن میں ابن اسحاق اور واقفی شامل ہیں، بیان کرتے ہیں کہ وہ شخص مسلمان ہوا۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر تبلیغ کی اور اس کی بدولت بہت سارے لوگ مسلمان ہو گئے۔

(صحیح البخاری، حدیث: 4135، 2913، صحیح مسلم، حدیث: 843، 5950، و مسند احمد: 3/364، 365، و السیرۃ النبویۃ للمصلائی: 2/249-250)

زوال کے اسباب

نعت کا جو میں نے تم کو عطا کی تھی، میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا اسے تم پورا کرو، تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا اسے میں پورا کروں اور مجھ ہی سے ڈرو۔

وَ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكْفُرُوْا اَوَّلَ كٰفِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوْا ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّ اِيْتٰى فَاَتَقُوْنَ۔

اور میں نے جو کتاب بھیجی ہے اس پر ایمان لاؤ۔ یہ اس کتاب کی تائید میں ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی، لہذا سب سے پہلے تم ہی اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ تھوڑی قیمت پر میری آیات کو نہ بھیج ڈالو اور میرے غضب سے بچو۔

وَلَا تَلْبِسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ بناؤ اور نہ جانتے بوجھتے حق کو چھپانے کی کوشش کرو۔

شہادت حق کا فریضہ انجام دینا بڑا کام ہے۔ یہاں کسی لاگ لپٹ کے بغیر دین کی اصل شکل کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ہوتا ہے۔ دین پر عمل کرنے کے معاملے میں عزیمت کی راہ کو اپنانا ہوتا ہے۔ یہاں مصلحت اور کچھ لے دے کا رویہ نہیں چلنا۔

اس کام کے لئے استقامت، جرأت، سرفروشی، صبر اور توکل علی اللہ کے صفات کا ہونا ناگزیر ہے۔ جب ہم اپنے رویوں کو درست کریں گے تو پھر انشاء اللہ اسلام دنیا کو لپیڈ کرے گا۔

امت مسلمہ کیوں چھ سو سال سے

مغلوب ہے اور ہر جگہ چٹنی آرہی ہے؟ آؤ قرآن سے پوچھتے ہیں۔ قوموں کے عروج اور زوال کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک ہی سنت ہے، وہی سنت جو اللہ نے بنی اسرائیل کے زوال پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن میں بیان کی ہے۔ زوال کے اسباب بتائے ہیں اور عروج کے شرائط بتائے ہیں، وہی معاملہ امت مسلمہ کے ساتھ بھی ہے۔ زوال کے وہی اسباب اور عروج پر جانے کے وہی شرائط۔ قرآن میں جگہ جگہ ان کے زوال کی وجوہات بھی بیان کی گئی ہیں۔ ایک عرصہ تک اللہ نے ان کو زمین کی خلافت عطا کر رکھی تھی۔ پھر جب انہوں نے

۷۔ جب وہ آسانی ہدایات کی من مان تعبیریں کرنے لگے۔
۸۔ جب انہوں نے جہاد کو ترک کیا، اور
۹۔ جب ان کی اجتماعیت میں متعین و صالحین کا مذاق اڑایا جانے لگا اور ان کو قتل کیا جانے لگا۔

تو اللہ رب العالمین نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ ان کو ذلیل اور بے وقعت کر دیا۔ جب ہم نے وہی رستہ اختیار کیا تو ہمارا بھی وہی حال ہوا۔

کیا پھر سے خلافت کا پاکیزہ نظام نافذ ہونا ممکن ہے؟ کیا پھر کبھی ایسا وقت آسکتا ہے کہ اسلام دنیا کو لپیڈ کرے؟ جی ممکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ساتھ جو شرائط بتائیں تھیں انہیں شرائط کو پورا کیا جائے تب۔

چند شرائط درج ذیل ہیں:
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰتُوْا زَكٰتَ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَاِيْتٰى فَاَرْهَبُوْا۔
اے بنی اسرائیل! ذرا خیال کرو اس

۱۔ بے جا اختلافات کو ہوا دی۔
۲۔ ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگے اور گروہ گروہ ہو گئے۔
۳۔ اپنے لئے پستی ذلت کو پسند کیا۔
۴۔ جب ان کے اخلاقیات میں بگاڑ آ گیا۔
۵۔ جب انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی۔

۶۔ جب وہ اللہ سے کئے ہوئے

جہود و ذوق یقین پینا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

خوف و لحاظ کو ترجیح دی اور نماز کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے کہا: قضا پڑھ لینا وقت تنگ ہو گیا ہے۔ انہوں نے اس جملہ سے اندازہ کر لیا کہ بادشاہ نماز نہیں پڑھنے دے گا۔ چنانچہ یکا یک بادشاہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ منہج لیا اور وصال بچھا کر فوراً نیت باندھ لی۔ مجبوراً امرائے سلطانی (بادشاہ کے دوست و احباب) نے شہباز خاں کی اس حیرت انگیز جرأت و جسارت پر ہزار آفریں کہا۔

نواب شہباز خاں کی شوکت و امارت

جاہ و منصب اور ان کے تقرب سلطانی کو دیکھنے اور پھر اس پر غور کیجئے کہ وہ فانی دنیا کے ان تمام مٹ جانے والے اسباب کو ٹھوکر مار کر اپنے ذوق یقین کی بنیاد پر خدائے وحدہ لا شریک کی جناب میں حاضر ہوتا ہے اور سر نیاز خم کر دیتا ہے۔ شاعر نے ایسے ہی مرد حق اور صاحب جرأت کے لئے کہا ہے

آئیں جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

سچائی یہ ہے کہ نواب شہباز خاں کے مذکورہ واقعہ میں ہمارے لئے بڑا سخت تازیانہ ہے عوام کو تو جانے دیجئے خواص بھی آج معمولی معمولی عذر اور بہانے بنا کر نماز باجماعت ترک کر دیتے ہیں اور یہ صرف سیاسی آقاؤں کی خوشامد میں اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اگر ہمارے اندر ایمانی حس اور غیرت ہے تو نمازی بنانے اور بارگاہ خدادندی میں سر تسلیم خم (سر جھکانے) کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ ☆☆☆

میں سے ایک کا تذکرہ اس کالم کے تحت ہم پیش کر رہے ہیں اس امید کہ ساتھ کہ یہ واقعہ ہماری زندگی میں ہمیز کے لئے کافی ہو جائے اور ہمارے اندر بھی شہباز خاں جیسا ذوق یقین پیدا ہو جائے اور جس سے ہر طرح کی غلامی (ذنی غلامی اور جسمانی غلامی) مٹ جائے اور اس کا خاتمہ ہو جائے اور باطل کی ہرزخیہ ٹوٹ پھوٹ جائے۔۔۔ اس واقعہ کو گوش دل سے سینے اور قلب و جگر کو جلا بخشنے۔

ایک دن اکبر نماز عصر کے قریب شہباز خاں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے فتح پور سیکری کے تالاب پر پہل قدمی اور ہوا خوری میں معروف تھا۔ حکیم ابوالفتح اور حکیم علی گیلانی وغیرہ چند امرائے سلطانی (سلطنت) کچھ فاصلے پر کھڑے باہم کہہ رہے تھے کہ آج اگر اس شخص کی نماز قضا نہ ہوئی تو جانو پکا نمازی اور دین دار ہے، ورنہ ریاکار۔ تفریح جاری تھی اور نماز کا وقت اخیر ہونے لگا تھا۔ شہباز خاں نے بادشاہ کے خوف و لحاظ پر خدا کے

بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے زمانے میں عمدۃ الملک نظام الدین لاہور کے شہباز خاں (اصلی نام شہر اللہ خاں پیدائش ۹۳۸ھ وقات ۹۸۸ھ) لاہور کے مشہور امیر اور اکبری دربار کے رکن اعظم اور بڑے بہادر، فاتح اور نامور سپہ سالار تھے۔

اکبری دربار میں جوت نئے خانہ بر انداز شریعت (اسلامی احکام و شعائر کو توڑنے والے آرڈر) احکام جاری ہوئے، امراء کو ناچار ان کی پابندی کرنی پڑی مثلاً داڑھی منڈانا، کان چھدانا، شراب پینا، مہر میں لفظ مرید کئدہ کرانا اور بہت سی خرافات آئین اکبری اور دربار اکبری کا لازمہ تھیں، مگر لاہور کے اس بہادر خدا پرست شہباز خاں نے بادشاہ سے قرب کے باوجود ان میں سے ایک بات کی بھی پیروی نہ کی اور غیر شرعی مراسم کی تفصیل میں کبھی بادشاہی احکام اور ناخوشی کی پروا نہ کی۔ شہباز خاں کے اتباع سنت اور روح و تقویٰ نیز پرہیز گاری کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ ان

हमारी हिन्दी पुस्तकें

किताब का नाम	लेखक	मूल्य
मन्सबे पैगम्बरी	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	100.00
नबियों के किस्से १, २	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	120.00
नबी-ए-रहमत	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	250.00
दस्तुरे हयात (जीवन का पथ-प्रदर्शक)	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
सभ्यता और संस्कृति पर इस्लाम की.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
भारतीय मुसलमान एक दृष्टि में	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	80.00
मदीने की डगर	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	70.00
मानवता का संदेश	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	50.00
मानवता का स्तर	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	50.00
जग के मोहसिन	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
अच्छे-अच्छे नाम अल्लाह के	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	25.00
इस्लाम मुकम्मल दीन मुस्तकिल.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
निशाने राह	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
नारी की प्रतिष्ठा और उसके.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
हिन्दुस्तानी मुसलमानों से साफ.....	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
इस्लाम एक परिचय	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	40.00
नौजवानों के नाम	मौलाना सैय्यद अबुल हसन अली हसनी नदवी	10.00
इस्लाम क्या है?	मौलाना मनजूर नोमानी	60.00
आदर्श शासक	मौलाना अब्दुसलाम किदवाई नदवी	35.00
तूफान से साहिल तक	मोहम्मद असद	50.00
समान सिविल कोड	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	10.00
मुहम्मद सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	250.00
तोहफ-ए-रमज़ान	मौलाना सैय्यद मोहम्मद राबे हसनी नदवी	40.00
हमारे हुजूर	अमृतुल्लाह तसनीम	20.00
इस्लाम और इस्लामी.....	मौलाना इलियास नदवी भटकली	35.00
सीरत सुलतान टीपू शहीद	मौलाना इलियास नदवी भटकली	220.00
Total		1705.00
Rate After Disc & Includign Postal Charges		900.00

मजलिस तहकीक़ात व नशरियाते इस्लाम

पो० ब० न०: 93- नदवा कैम्पस नदवतुलउलमा, लखनऊ

फोन न० : 0522.2741539

मोबाइल न० : 9889378176

इ-मेल : airpnadwa@gmail.com